بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

مختصر اور جامع تفسیری نکات

تذکیر بالقرآن

Reflections from Qur'an

قرآن مجید کی منتخب آیات کی تفسیر

A Summary of Qur'anic Teachings

Part – 9

English - Urdu

حافظ محمد ابو بکر سجاد علوی (خطیب لندن)

Seymour Road

London,

United Kingdom

Telephone: +44 7853099327

پارہ - 9

اہم تفسیری نکات

سیاق وسباق: قرآن مجید کے نویں پارے کا بیشتر حصّہ سورۃ اعراف پر مشتمل ہے۔یہ سورت بنیادی طور پر **آٹھ موضوعات** پر مشتمل ہے۔اس سورت کا بنیادی موضوع دعوت اسلام اور **نبی اکرم ﷺ کا دعوتی مشن** ہے۔سورت اعراف کے آغاز میں سورۃ کا مرکزی مضمون **قرآن وسنّت کی پیروی** (اتّبعوماانزل الیکم من ربّکم) کو بیان کیا گیا تھا۔اس کے بعد فریضہ دعوت و تبلیغ کی اہمیت کو بیان کیا گیا۔اس کے بعد کے مضامین **تخلیق انسانیت**،انسان کا مقصد تخلیق،**اشرف المخلوقات** کا اعزاز(اسجدو لآدم)، آدم وحواء،ابلیس، نسل انسانی کا تذکرہ کیا گیا۔

اس کے بعد مناظر آخرت،اصحاب جنّت،اصحاب النّار،اصحاب الاعراف کا ذکر کرنے کے بعد چند انبیاء کرامؑ،ان کا اسلوب دعوت، تبلیغ کا طریقہ کار،**پیغمبرانہ منہاج دعوت** کا ذکر کیا گیا۔ان انبیاء کرام اور ان کی قوموں کے تذکرے میں داعیان، واعظین اور **مبلغین اسلام** کیلئے بہت بڑا پیغام ہے۔

ان قوموں کی سیرت و کردار سے یہ **سبق** حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے سر تابی،انفرادی اور اجتماعی گناہ،مال و دولت کی حرص اور دنیا پرستی عذاب الٰہی کو دعوت دینے والی چیزیں ہیں۔اس لیے ہمیں بحیثیت مسلمان انفرادی طور پر اور بحیثیت امّت مسلمہ اجتماعی طور پر ان خرابیوں کو اپنے اندر پروان نہ چڑھنے دیں۔

اسی **پس منظر** کی روشنی میں نویں پارے کا آغاز ہوتا ہے۔

نویں پارے کا پہلا رکوع: وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا۔۔۔ (اعراف۔85)

رکوع کے تفسیری موضوعات

آٹھویں پارے کی آخری آیات کے موضوعات میں خطیب الانبیاء شعیب علیہ اسلام کا تذکرہ، نبی اپنی قوم کا حصہ ہوتا ہے(والٰی مدین اخاھم شعیباً)، قرآن میں ہر نبی کو اس کی **قوم کا بھائی** کہا گیا۔قوم مدین کا تعارف:یہ ایک **بگڑی ہوئی مسلمان قوم** تھی، حضرت شعیبؑ کا پیغام دعوت،**اصلاح کا مشن**:دو بڑی خرابیوں کی اصلاح:

بگڑے ہوئے عقائد، بزنس میں بددیانتی، (فاوفوالکیل والمیزان)، اخلاقی خرابیوں اور کرپشن کی اصلاح، (ولا تفسدوفی الارض بعد اصلاحھا)، اللہ بہترین منصف ہے (وھو خیر الحاکمین)۔

نویں پارے کے آغاز میں بھی حضرت شعیبؑ اور قوم مدین کا مزید تذکرہ ہے۔

مذہب کی بنیاد پر ملک بدری کی دھمکی (لنخرجنّک۔۔۔من قریتنا او لتعودن فی ملتنا)، دین حق پر استقامت کا عزم، اہل ایمان کا اللہ پر توکل (علی اللہ توکلنا)، دنیاداروں کے نزدیک خسارے کی تعریف، بے ایمانی اور بددیانتی کی سزاء قدرتی آفات، حضرت شعیبؑ کا قوم کے نام آخری پیغام (لقد ابلغتتم رسلٰت ربّی ونصحت لکم)، سابقہ قوموں کی تاریخ اور اہل مکہ میں مماثلت۔

آبائی دین پر اصرار

مذہب کی بنیاد پر ملک بدری کی دھمکی

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ۔ (اعراف۔88)

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا: اے شعیب ہم تجھے اور انہیں جو تجھ پر ایمان لائے ہیں اپنے شہر سے ضرور نکال دیں گے یا یہ کہ تم لوگوں کو ہماری ملت میں واپس آنا ہو گا۔ شعیبؑ نے جواب دیا: کیا ہمیں ہمارے دین سے جبری پھیر اجائے گا خواہ ہم راضی نہ ہوں؟

The arrogant leaders of his people threatened, "O Shu'aib! We will certainly expel you and your fellow believers from our land unless you return to our faith." He replied, "Even if we don't want it?

قوم مدین کے تکبر اور سرکشی کا اندازہ کیجئے کہ انہوں نے ایمان اور توحید کی دعوت کو ہی رد نہیں کیا بلکہ اس سے بھی تجاوز کر کے اللہ کے پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو دھمکی دی یا تو اپنے آبائی مذہب میں واپس آجاؤ نہیں تو ہم تمہیں یہاں سے یعنی اپنے آبائی وطن سے نکال دیں گے۔ اہل ایمان کے لئے اپنے سابق مذہب کی طرف واپسی کی بات تو قابل فہم ہے

کیونکہ انہوں نے کفر چھوڑ کر ایمان اختیار کیا تھا۔ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی آبائی ملت کی طرف لوٹنے کی دعوت اس لحاظ سے تھی کہ وہ انہیں بھی نبوت اور تبلیغ و دعوت سے پہلے اپنا ہم مذہب ہی سمجھتے تھے گو حقیقتا ایسا نہ ہو۔ یا بطور تغلیب انہیں بھی شامل کر لیا ہو۔ بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ نبوت اور دعوت دین کے آغاز سے پہلے حضرت شعیبؑ ان لوگوں کے باطل اقوال و اعمال پر سکوت فرماتے تھے اور قوم کے اندر گھل مل کر رہتے تھے ان کے سبب ان کا خیال حضرت شعیبؑ کے بارے میں بھی یہ تھا کہ وہ بھی ہمارے ہی ہم خیال اور ہمارے مذہب کے پیرو ہیں۔ دعوت ایمان کے بعد ان کو معلوم ہوا کہ ان کا مذہب ہم سے مختلف ہے اور خیال کیا کہ یہ ہمارے مذہب سے پھر گئے ہیں۔

اَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ: خواہ ہم اس پر راضی نہ ہوں؟ کس پر راضی نہ ہوں؟ یعنی آبائی مذہب پر واپسی پر یا جبری ملک بدری پر؟ دونوں اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی کیا تم ہمیں اپنے مذہب کی طرف لوٹاؤ گے یا ہمیں اپنے آبائی وطن سے نکال دو گے جبکہ ہم اس مذہب کی طرف لوٹنا اور اس سرزمین سے نکلنا پسند نہ کرتے ہوں؟

دین حق پر استقامت کا عزم

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ۔ (اعراف۔89)

ہم اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہوں گے اگر (اپنا سچا دین چھوڑ کر) تمہارے مذہب میں واپس آئیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی ہے۔ ہمارے لیے تو اس کی طرف واپسی اب کسی طرح ممکن نہیں الّا یہ کہ اللہ ہمارا رب ہی ایسا چاہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز پر حاوی ہے، اُسی پر ہم نے اعتماد کر لیا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

Commitment to stick with the true faith!

We would surely be fabricating a lie against Allah if we were to return to your faith after Allah has saved us from it. It does not befit us to return to it unless it is the Will of Allah, our Lord. Our Lord has encompassed everything in ˹His˺ knowledge. In Allah we trust. Our Lord! Judge between us

and our people with truth. You are the best of those who judge. (7:89)

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللهِ كَذِبًا: یعنی اگر ہم دوبارہ اس دین آبائی کی طرف لوٹ آئے، جس سے اللہ نے ہمیں نجات دی، تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے ایمان و توحید کا کھلا دعویٰ کر کے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا؟ مطلب یہ تھا کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہماری طرف سے ایسا ہو۔

وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا: تجدید ایمان کی صورت میں اپنا عزم ظاہر کرنے کے بعد ان ایمانداروں نے اپنا معاملہ اللہ کی مشیت کے سپرد کر دیا یعنی ہم نے اپنی رضامندی سے اب کفر کی طرف نہیں لوٹ سکتے ہاں اگر اللہ چاہے تو بات اور ہے۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا: اس آیت سے ان شاءاللہ کہنے کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے۔ آیت کا یہ جملہ اسی معنی میں ہے جس میں ان شاء اللہ کا لفظ بولا جاتا ہے، اور جس کے متعلق سورۃ کہف (آیات 23۔24) میں ارشاد ہوا ہے کہ کسی چیز کے متعلق دعوے کے ساتھ یہ نہ کہہ دیا کرو کہ میں ایسا کروں گا بلکہ اس طرح کہا کرو کہ اگر اللہ چاہے گا تو ایسا کروں گا۔ اس لیے کہ مومن، جو اللہ تعالیٰ کی سلطانی و بادشاہی کا اور اپنی بندگی و تابعیت کا ٹھیک ٹھیک ادراک رکھتا ہے، کبھی اپنے بل بوتے پر یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں فلاں بات کر کے رہوں گا یا فلاں حرکت ہر گز نہ کروں گا، بلکہ وہ جب کہے گا تو یوں کہے گا کہ میرا ارادہ ایسا کرنے کا یا نہ کرنے کا ہے لیکن میرے اس ارادے کا پورا ہونا میرے مالک کی مشیت پر موقوف ہے، وہ توفیق بخشے گا تو اس میں کامیاب ہو جاؤں گا ورنہ ناکام رہ جاؤں گا۔

حدیث: حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی کام اللہ تعالیٰ کی مشیت اور توفیق کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لولا اللّٰہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولاصلینا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو ہم کو صحیح راستہ کی ہدایت نہ ملتی اور نہ ہم صدقہ خیرات کر پاتے نہ نماز پڑھ سکتے۔

اس کے بعد ان ایمانداروں نے اللہ پر بھروسے اور توکل کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ کو اپنا منصف بناتے ہوئے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا: عَلَى اللهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ۔ اُسی اللہ پر ہم توکل اور اعتماد رکھتے ہیں۔ اے ہمارے ربّ! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

دنیاداروں کے نزدیک خسارے کی تعریف

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ (اعراف۔90)

اس کی قوم کے سرداروں نے، جو اس کی بات ماننے سے انکار کر چکے تھے، آپس میں کہا: اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی قبول کر لی تو نقصان میں رہو گے۔

The elders of his people who disbelieved said: 'Should you follow Shu'ayb, you will be utter losers. (7:90)

This was the view of the Business community of Prophet Shoaib that they could not succeed in businesses if they were stick to the moral values and totally honest and straightforward in their dealings. For them, the only way for a successful business is cheating, dishonesty and immoral practices.

قوم مدین کی بزنس کمیونٹی کے نزدیک بے ایمانی اور کاروبار میں چیٹنگ اچھے منافع کیلئے ضروری تھا۔ حالانکہ اگر وہ سچے ایماندار ہوتے اور اپنے کسٹمرز کے ساتھ کسی قسم کا دھوکہ وفریب نہ کرتے تو ان خوبیوں کی وجہ سے انہیں دنیا و آخرت میں برکات حاصل ہوتیں، رزق حلال کی سعادتیں نصیب ہوتیں اور اخروی فلاح بھی ملتی۔ لیکن چونکہ دنیاداروں کی نظر میں نفع عاجل (دنیا میں فوراً حاصل ہونے والا نفع) ہی سب کچھ ہوتا ہے، جو ناپ تول میں بددیانتی کر کے انہیں حاصل ہوتا ہے، وہ سچے اہل ایمان کی طرح آخرت کے نفع آجل (دیر میں ملنے والا نفع) کے لئے اسے کیوں چھوڑتے۔

بے ایمانی کی سزاء: قدرتی آفات

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ۔ (اعراف۔91)

نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں زلزلہ نے اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

Then a shocking catastrophe seized them, and they remained prostrate in their dwellings. (7:91)

قوم شعیبؑ کی سزا اس آیت میں زلزلہ کو بتلایا ہے اور دوسری آیات میں ہے فاخذھم عذاب یوم الظلۃ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو یوم الظلۃ کے عذاب نے پکڑ لیا۔ یوم الظلۃ کے معنی ہیں سایہ کا دن۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان دونوں آیتوں میں تطبیق کے لئے فرمایا کہ شعیبؑ کی قوم پر اول تو ایسی سخت گرمی مسلط ہوئی جیسے جہنم کا دروازہ ان کی

طرف کھول دیا گیا ہو جس سے ان کا دم گھٹنے لگا نہ کسی سایہ میں چین آتا تھا نہ پانی میں۔ پریشان ہو کر شہر سے جنگل کی طرف بھاگے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی۔ اس وقت یہ سارا بادل آگ بن کر ان پر برسا اور زلزلہ بھی آیا۔ اس طرح اس قوم پر زلزلہ اور عذاب ظلہ دونوں جمع ہو گئے۔(بحر محیط)

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ عذاب میں ساری ہی آفات کا اجتماع ہوا۔ قوم مدین پر جو آفات نازل ہوئیں ان میں زمینی زلزلہ بھی تھا، آسمانی بجلی کی کڑک بھی، گرجدار آواز بھی۔ ان سب قدرتی آفات کے نتیجے میں ان کا نام ونشان تک مٹ گیا جیسا کہ اگلی آیت میں وضاحت ہے:

تمہاری داستان تک نہ ہو گی داستانوں میں

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۛ اَ لَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ۔(اعراف۔92)

جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا وہ ایسے مٹے کہ گویا کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے۔ شعیبؑ کے جھٹلانے والے ہی آخرکار خسارے میں رہے۔

Those who rejected Shu'aib were ⌜wiped out⌝ as if they had never lived there. Those who rejected Shu'aib were the true losers. (7:92)

وہ لوگ جو پیغمبر کو اپنی سرزمین سے نکالنے والے تھے اللہ نے ان کو پورے روئے زمین سے ہی نکال دیا۔

كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ: یعنی خسارے میں وہی لوگ رہے جنہوں نے پیغمبر کی تکذیب کی، نہ کہ پیغمبر اور ان پر ایمان لانے والے۔ اور خسارہ بھی دونوں جہانوں میں۔ دنیا میں بھی ذلت کا عذاب چکھا اور آخرت میں اس سے کہیں زیادہ عذاب شدید ان کے لئے تیار ہے۔

حضرت شعیب کا اپنی قوم کیلئے آخری ناصحانہ پیغام

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ۔ (اعراف۔93)

اس وقت (شعیب علیہ السلام) ان سے (ناامید ہو کر) منہ موڑ کر چلے گئے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے، اب میں اُس قوم پر کیسے افسوس کروں جو قبول حق سے انکار کرتی ہے۔

He turned away from them, saying, "O my people! Indeed, I have delivered to you the messages of my Lord and gave you ˹sincere˺ advice. How can I then grieve for those who refuse to accept the truth? (7:93)

قوم شعیب پر عذاب آیا تو پیغمبرانہ شفقت ورحمت کے سبب حضرت شعیبؑ کا دل دکھا تو اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے قوم کو خطاب کرکے فرمایا کہ میں نے تو تم کو تمہارے رب کے احکام پہنچا دیئے تھے اور تمہاری ہمدردی کی انتہا کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تبلیغ میں، تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی لیکن نہ تم نے اس سے کوئی فائدہ اٹھایا نہ حق کی پیروی کی نہ اپنے خیر خواہ کی بات مانی۔ بلکہ اسے اپنا دشمن سمجھتے رہے۔ تم نے قبول حق سے خود ہی انکار کر دیا، اب میں کہاں تک تم پر افسوس کروں۔ اور اگر افسوس کرتا بھی رہوں تو کیا فائدہ۔

بعض مفسرینؒ لکھتے ہیں کہ ہر نبی جب اپنی قوم کی ہدایت سے مکمل مایوس ہو جاتا ہے تو پھر مزید ان کے درمیان نہیں رہتا۔ اسی طرح جب وہ دیکھتا کہ اب میری امت پر عام عذاب آنے والا ہے تو اپنی قوم کی جگہ کو چھوڑ دیتا ہے۔

سابقہ قوموں کی تاریخ اور اہل مکہ میں مماثلت

قرآن میں سابقہ انبیاءؑ اور ان کی قوموں کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ ہر قصہ میں ایک فریق نبی ہے جس کی اصولی تعلیمات، جس کی دعوت، جس کی نصیحت و خیر خواہی وہی ہے ہیں جو محمد ﷺ کی تھیں۔ اور دوسرا فریق حق سے منہ موڑنے والی قوم ہے جس کی اعتقادی گمراہیاں، جس کی اخلاقی خرابیاں، جس کی جاہلانہ ہٹ دھرمیاں، جس کے سرداروں کا استکبار، جس کے منکروں کا اپنی ضلالت پر اصرار، غرض سب کچھ وہی ہے جو قریش مکہ میں پایا جاتا تھا۔ پھر ہر قصے میں منکر قوم کا جو انجام پیش کیا گیا ہے اس سے دراصل قریش کو عبرت دلائی گئی ہے کہ اگر تم نے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی بات نہ مانی اور اصلاح حال کا جو موقع تمہیں دیا جا رہا ہے اسے اندھی ضد میں مبتلا ہو کر کھو دیا تو آخرکار تمہیں بھی اسی تباہی و بربادی سے دوچار ہونا پڑے گا جو ہمیشہ سے گمراہی و فساد پر اصرار کرنے والی قوموں کے حصہ میں آتی رہی ہے۔

دوسرا رکوع: وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ--- (اعراف۔85)

رکوع کے تفسیری موضوعات

مشکلات اور پریشانیوں کی آزمائش(اخذنا اهلها بالباساء والضرا)،خوشحالی اور نعمتوں کی آزمائش، آیت کا شان نزول اور قریش مکہ سے مماثلت، تاریخ سے سبق سیکھو، آسمانی برکات کے رنگ(لفتحنا عليهم بركات من السماء)،اللہ کی پکڑ سے کبھی بے فکر نہ رہو(فلا یامن مکر اللہ)۔

Two Kind of Test: Prosperity and Adversity

مشکلات اور پریشانی کی آزمائش

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ۔ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (اعراف۔94)

اور ہم نے جب بھی کسی قریہ میں کوئی نبی بھیجا تو اہل قریہ کو نافرمانی پر سختی اور پریشانی میں ضرور مبتلا کیا کہ شاید وہ لوگ ہماری بارگاہ میں تضرع وزاری کریں۔

Adversity as a Test

Never have We sent a Prophet to a place without trying its people with adversity and hardship that they may humble themselves. (7:94)

After narrating individually, the stories of how various nations responded to the Message of their Prophets, the Qur'an now spells out the general rule which has been operative throughout the ages. That people had two kinds of test: Test in the form of Prosperity or Test in the form of Adversity.

Adversity, trials, and afflictions usually have a healthy impact on people. They lead to softening their hearts. They generate humility and modesty. They enable people to shake off their pride and shatter their reliance on wealth

and power and induce them to trust and make reliance on the One Who is all-powerful and fully controls their destiny. Above all, such events incline people to heed the words of warning and to turn to God in humility.

But if the people continue to refrain from embracing the truth they are subjected to another kind of test – Prosperity which is being explained in the next verse.

پچھلی امتیں اپنے نبی کو ایذاء اور تکلیف دینے پر مختلف آزمائشوں میں مبتلا کی گئیں۔ یہ دو قسم کی آزمائش تھی۔ ایک آزمائش متعدی بیماریاں، فقیری، مفلسی، تنگی تھی تاکہ مشکل وقت میں وہ رجوع الی اللہ کریں، اللہ تعالیٰ کی سرکشی اور گناہ چھوڑ دیں اور اس کے سامنے عاجزی اختیار کریں، اپنے رسول کی اطاعت کریں، مصیبتوں کے ٹالنے کی دعائیں کریں لیکن انہوں نے اس توبہ کے موقعہ کو ہاتھ سے نکال دیا، اپنی ضد سے نہ ہٹے۔ پھر ان کا دوسرا امتحان ہوا۔ جس کا ذکر اگلی آیت کے اندر کیا جارہا ہے:

خوشحالی اور نعمتوں کی آزمائش

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (اعراف۔95)

پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ (مال واولاد میں) زیادہ ہوگئے تو کہنے لگے کہ اس طرح کا رنج وراحت ہمارے بڑوں کو بھی پہنچتا رہا ہے۔ آخر کار ہم نے انہیں (ان کی ناشکری پر) اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔

Prosperity as a Test

Then We changed their adversity to prosperity until they flourished and argued: “Our forefathers ⌜too⌝ had been visited by adversity and prosperity”. So, We seized them by surprise, while they were unaware. (7:95)

They argued that life has its ups and downs and, therefore, they did not perceive adversity as a punishment or prosperity as a test—arguing that the same thing happened to their ancestors.

اس سے پہلے والی آیت میں بتایا گیا تھا کہ پچھلی امتوں کو اپنے نبی کو ایذاء اور تکلیف دینے پر مختلف آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا تھا۔ یہ دو قسم کی آزمائش تھی۔ایک آزمائش سختی کی آزمائش تھی یعنی ان پر مشکل حالات اور پریشانیاں آئیں جن کی تفصیل پچھلی آیت کی تفسیر میں کی گئی۔ پھر ان کا دوسرا امتحان ہوا جس کا ذکر یہاں اس آیت کے اندر کیا جارہا ہے۔وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سختی کو نرمی سے، برائی کو بھلائی سے، بیماری کو تندرستی سے، فقیری کو امیری سے بدل دیا تاکہ تاکہ وہ اس پر اللہ کا شکر کریں لیکن انہوں نے اس موقعہ سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور اپنے کفر و غرور میں بڑھتے گئے۔اس تبدیلی حال سے بھی ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی اور انہوں نے جواباً کہا کہ یہ تو ہمیشہ سے ہوتا چلا آرہاہے تو پھر ہم نے اچانک اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ: پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیا۔اس آیت میں السَّيِّئَةِ سے مراد وہ فقر و فاقہ یا بیماری کی بدحالی ہے جس کا ذکر اوپر آیا اور الْحَسَنَةَ سے مراد اس کے بالمقابل مال میں وسعت و فراخی اور بدن میں صحت و سلامتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلا امتحان ان لوگوں کو فقر و فاقہ اور بیماری وغیرہ میں مبتلا کر کے لیا گیا تھا جب اس میں ناکام ہو گئے یعنی رجوع الی اللہ نہ کیا تو دوسرا امتحان اس طرح لیا گیا کہ ان کے فقر و فاقہ کے بجائے مال و دولت کی وسعت اور بیماری کے بجائے صحت و سلامت ان کو عطا کر دی گئی یہاں تک کہ وہ خوب ترقی کر گئے لیکن اپنی اصلاح پھر بھی نہیں کی۔ بلکہ کہنے لگے کہ: قَدْ مَسَّ اٰبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ۔ یعنی یہ کوئی نئی بات نہیں، زمانہ کی عادت ہی یہی ہے کہ اچھے برے حالات انسان پر آتے ہی رہتے ہیں۔ تب وہ اچانک عذاب میں پکڑے گئے: فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ لوگ دونوں قسم کی آزمائشوں میں ناکام رہے اور ہوش میں نہ آئے تو پھر ہم نے ان کو اچانک اس طرح عذاب میں پکڑ لیا کہ ان کو اس کی خبر بھی نہ تھی۔

حالانکہ سچے اہل ایمان کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں حالتوں (اچھے حالات اور مشکل حالات) میں عبرت پکڑتے ہیں۔ وہ آرام و راحت ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور تکلیف پہنچنے پر صبر سے کام لیتے ہیں یوں دونوں ہی حالتیں ان کے لیے خیر اور اجر کا باعث ہوتی ہیں۔

حدیث: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بندہ مومن پر تعجب ہے اس کی دونوں حالتیں انجام کے لحاظ سے اس کیلئے بہتر ہوتی ہیں۔ یہ دکھ پر صبر کرتا ہے اس پر اسے اجر ملتا ہے، سکھ پر شکر کرتا ہے تب بھی اجر پاتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

حدیث: ایک اور حدیث میں ہے کہ آلام و مصائب کی وجہ سے بندہ مومن کے گناہ بالکل مٹ جاتے ہیں اور وہ پاک صاف ہو جاتا ہے۔

حدیث: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اچانک موت مومن کے لئے رحمت ہے اور کافر کے لئے حسرت ہے۔

آیت کا شان نزول اور قریش مکہ سے نسبت

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جس اصول اور طرز عمل کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی رویے اور طرز عمل اس کا اظہار نبی کریمؐ کے دور میں مکہ والوں سے ظاہر ہو رہا تھا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دعوت کے بعد جب قریش کے لوگوں نے آپ کی دعوت کے خلاف سخت رویہ اختیار کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت قحط میں مبتلا کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگ مردار کھانے لگے، چمڑے اور ہڈیاں اور اون تک کھا گئے۔ آخر کار مکہ کے لوگوں نے، جن میں ابو سفیان پیش پیش تھا، حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے۔ جب آپؐ کی دعا سے اللہ نے وہ برا وقت ٹال دیا ور خوشحالی کے دن آ گئے تو ان لوگوں کی گردنیں پہلے سے زیادہ اکڑ گئیں، اور کہنا شروع کر دیا کہ یہ تو زمانے کا اتار چڑھاؤ ہے۔ پہلے بھی آخر قحط آتے ہی رہے ہیں اگر اس مرتبہ ایک لمبا قحط پڑ گیا تو کوئی نئی بات تو نہیں، لہٰذا محمدؐ کی باتوں میں نہ آنا (نعوذ باللہ)۔ سورۃ اعراف کی یہ آیات اس زمانے میں نازل ہوئیں۔ اس لیے اس پس منظر کو نگاہ میں رکھنے سے ان آیات کا مطلب اور معنویت پوری طرح سمجھ میں آ سکتی ہے۔

تاریخ سے سبق سیکھو

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔۔ (اعراف۔96)

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی پھر ہم نے ان کے اعمال کے سبب ان پر گرفت کی۔

Take lessons from the History!

Had the people of those societies been faithful and mindful ˹of Allah˺, We would have opened [i.e., bestowed] upon them blessings from the heaven and the earth. But they

denied the Truth, so We seized them for their misdeeds. (7:96)

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ: تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

برکت کے لفظی معنی اضافہ کے ہیں۔ آسمان اور زمین کی برکتوں سے مراد یہ ہے کہ ہر طرح کی بھلائی ہر طرف سے ان کے لئے کھول دیتے۔ انہیں کوئی پریشانی اور فکر لاحق نہ ہوتی۔ اور یہ برکت انسان کے مال میں بھی ہوتی ہے جان میں بھی، کام میں بھی اور وقت میں بھی، بعض مرتبہ ایک لقمہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی قوت و صحت کا سبب بن جاتا ہے اور بعض اوقات بڑی سے بڑی طاقتور غذا اور دوا کام نہیں دیتی، اسی طرح بعض وقت میں برکت ہوتی ہے تو ایک گھنٹہ میں اتنا کام ہو جاتا ہے کہ دوسرے اوقات میں کئی گھنٹوں یا دنوں میں بھی نہیں ہوتا، ان سب صورتوں میں اگرچہ مقدار کے اعتبار سے نہ مال بڑھا ہے نہ وقت مگر برکت کا ظہور اس طرح ہوا کہ اس سے کام بہت نکلے۔ اس آیت نے یہ بات واضح کر دی کہ آسمان اور زمین کی کل مخلوقات و موجودات کی برکات ایمان اور تقوی پر موقوف ہیں ان کو اختیار کیا جائے تو آخرت کی فلاح کے ساتھ دنیا کی فلاح و برکات بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔ لیکن اگر ایمان و تقوی کو چھوڑ دیا جائے تو برکات سے محرومی ہو جاتی ہے۔

آج کی دنیا کے حالات پر غور کیا جائے تو یہ بات ایک حقیقت بن کر سامنے آجاتی ہے کہ آج کل ظاہری طور پر دنیا کے وسائل اور نعمتوں اور آسائشوں میں اضافہ ہوا ہے، لوگوں کا لائف سٹائل بہتر ہوا ہے۔ نئی ایجادات اور سہولیات حاصل ہوئیں جن کا پہلی نسلیں تصور بھی نہیں کر سکتیں تھیں۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود آج کا انسان پریشان، بے سکونی میں مبتلا ہے۔ بیماریاں، ذاتی مسائل، فیملی کے مسائل، معاشرتی مسائل، نفسیاتی مسائل، ذہنی مسائل، معاشی مسائل، ملکی مسائل، بین الاقوامی مسائل بڑھ گئے ہیں۔ آرام و راحت اور امن و اطمینان کا کہیں وجود نہیں، ان ساری چیزوں کا سبب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ نعمتیں موجود ہیں مگر دنیا سے برکت ختم ہو گئی ہے۔ اور اس کی وجہ دین سے دوری ہے۔

آسمانی برکات کے کئی رنگ ہیں۔

ایک نیک انسان کی زندگی توازن اور اعتدال پر مبنی ہوتی ہے۔ وہ زمین پر محنت کرتا ہے اور آسمانوں کی طرف نظریں اُٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ ہوائے نفس، سرکشی اور حق تلفی سے پاک ہوتا ہے۔ ایسا شخص ایک صالح، نتیجہ خیز اور مفید کردار کا مالک ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے اُوپر برکاتِ الٰہی کے سائے نزول کرتے ہیں۔ اس کے کام میں خیر و برکت ہوتی ہے اور اس کی زندگی پر فلاح کا سایہ ہوتا ہے۔ اس کی زندگی بظاہر اسباب کے مطابق چل رہی ہوتی ہے، لیکن درحقیقت ایک غیبی قوت اس کی مددگار ہوتی ہے۔

امام حسن بصری (رح) کا قول ہے: المؤمن يعمل بالطاعات وهو مشفق و جل خائف، والفاجر يعمل بالمعاصي وهو آمن۔

کہ مومن نیکیاں کرتا ہے اور پھر بھی اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اور فاسق فاجر شخص برائیاں کرتا ہے اور پھر بھی بے خوف رہتا ہے۔

(نتیجے میں مومن امن پاتا ہے اور فاجر کے حصے میں (بالآخر) بے سکونی آتی ہے)۔

برکت ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انسان کی ضروریات کی چیزوں میں برکت ہوتی ہے، ذات انسانی میں برکت ہوتی ہے، انسانی شعور میں برکت ہوتی ہے، پاکیزہ زندگیوں میں برکت ہوتی ہے اور ان برکات کے نتیجے میں زندگی بڑھتی ہے اور اس کے اندر سکون واطمینان پیدا ہوتا ہے، یہ نہیں کہ ہر طرف سہولیات تو وافر ہوں اور انسان ذہنی تناؤ کا شکار ہو، جسمانی اور نفسیاتی اضطراب میں مبتلا ہو۔

اللہ کی پکڑ سے کبھی بے فکر نہ رہو

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ۔

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (اعراف۔97۔98۔99)

پھر کیا اہل قریہ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک اُن پر رات کے وقت نہ آجائے گی جب کہ وہ (غفلت کی نیند) سو رہے ہوں؟

یا انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکایک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا جب کہ وہ کھیل (لہو لعب) میں مشغول ہوں؟

کیا یہ لوگ اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی پکڑ سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہوں۔

Be afraid from Allah’s punishment!

Did the people of those societies feel secure that Our punishment would not come upon them by night while they were asleep? Or did they feel secure that Our punishment would not come upon them by day while they were at play? (7:97.98)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بیان فرمایا کہ ایمان و تقویٰ ایسی چیز ہے کہ جس بستی کے لوگ اسے اپنالیں تو ان پر اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے یعنی حسب ضرورت انہیں آسمان سے بارش مہیا فرماتا ہے اور زمین اس سے سیر اب ہو کر خوب پیداوار دیتی ہے جس سے خوش حالی و فروانی ان کا مقدر بن جاتی ہے لیکن اس کے بر عکس انکار و تکذیب کاراستہ اختیار کرنے پر قومیں اللہ کے عذاب کی مستحق ٹھہر جاتی ہیں، پھر پتہ نہیں ہوتا کہ شب وروز کی کس گھڑی میں عذاب آجائے اور ہنستی کھیلتی بستیوں کو آن واحد میں کھنڈرات بنا کر رکھ دے اس لئے اللہ کی پکڑ سے بے خوف نہیں ہونا چاہیئے۔ اس بے خوفی کا نتیجہ سوائے خسارے کے اور کچھ نہیں۔

فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللهِ: پس اللہ کی تدبیر (پکڑ) سے بے خوف نہ ہو جاؤ۔ مَكْرَ عربی زبان میں لطیف اور باریک تدبیر کو کہتے ہیں عربی زبان میں یہ لفظ خفیہ تدبیر کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے یعنی کسی شخص کے خلاف ایسی چال چلنا کہ جب تک اس پر فیصلہ کن ضرب نہ پڑ جائے اس وقت تک اسے خبر نہ ہو کہ اس کی شامت آنے والی ہے، بلکہ ظاہر حالات کو دیکھتے ہوئے وہ یہی سمجھتا رہے کہ سب اچھا ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا: وَمَكَرُوْا وَمَكَرَاللهُ ۚ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ پھر بنی اسرائیل (مسیح کے خلاف) خفیہ تدبیریں کرنے لگے جواب میں اللہ نے بھی اپنی خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔ اس تشریح سے معلوم ہو کہ مکر ایک ذو معنی لفظ ہے۔ گویا یہ مکر (برا) بھی ہو سکتا ہے اگر غلط مقصد کے لئے ہو اور خیر (اچھا) بھی ہو سکتا ہے اگر اچھے مقصد کے لئے ہو۔

تیسرا رکوع: اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ--- (اعراف۔100)

رکوع کے تفسیری موضوعات

دلوں پر قفل (ونطبع علیٰ قلوبھم)، خواب غفلت، سابقہ قوموں کی مثال بطور عبرت، عہد شکنی اور فسق وفجور، عہد کی تین اقسام: فطری عہد یا عہد الست، معاشرتی عہد، انفرادی عہد، باہمی معاہدات کی اہمیت، حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی آویزش، ہر فرعون را موسیٰ (فانظر کیف کان عاقبتہ المفسدین)، فرعون کو دعوت دین، اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتوں کی نسبت، موسیٰؑ کا فرعون سے مطالبہ: میری قوم کو آزاد کرو (فارسل معی بنی اسرائیل)، فرعون کا معجزے کا مطالبہ، موسیٰؑ کے معجزات، ید بیضاء، عصاء موسیٰ (فالقیٰ عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین)۔

دلوں پر تالہ

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ۔(اعراف۔100)

اور کیااُن لوگوں کو جو سابقہ قوموں کے زوال کے بعد زمین کے وارث ہوئے،اس بات نے کچھ سبق نہیں دیا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے قصوروں پر انہیں بھی پکڑ سکتے ہیں؟(مگر وہ تاریخ سے سبق نہیں سیکھتے)اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں، پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔

Is it not clear to those who take over the land after ˹the destruction of˺ its former residents that—if We will—We can punish them ˹too˺ for their sins and seal their hearts so they will not hear ˹the truth˺? (7:100)

Those people who derive no lesson from history, who thoughtlessly pass over the ruins of the past, remaining engrossed in heedlessness, are deprived by God of the capacity to think correctly and to pay due attention to the admonition of well-wishers. Such is the God-made law of nature that if someone closes his eyes, then sunlight will not reach his sight. Similarly, if someone is bent upon closing his ears none can make him hear even a word.

یعنی گناہوں کے نتیجے میں عذاب ہی نہیں آتا، دلوں پر قفل بھی لگ جاتے ہیں۔ نتیجے میں بڑے بڑے عذاب بھی انہیں خوابِ غفلت سے بیدار نہیں کر پاتے، دیگر بعض مقامات کی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح گزشتہ قوموں کو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کیا ہم چاہیں تو تمہیں بھی تمہاری بداعمالیوں اور کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیں۔

دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ مسلسل گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کی حق کی آواز کے لئے ان کے کان بھی بند ہو جاتے ہیں پھر وعظ و نصیحت ان کے لئے بیکار ہو جاتے ہیں۔ آیت میں ہدایت تبیین (وضاحت) کے معنی میں ہے اسی لیے لام کے ساتھ متعدی ہے اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ یعنی کیا ان پر یہ بات واضح نہیں ہوئی۔

سابقہ قوموں کی مثال بطور عبرت

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآىِٕهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ۔(اعراف۔101)

یہ (سابقہ) قومیں جن کی تاریخ تمہارے سامنے (بطور مثال) ہم نے بیان کی ہے، ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے، مگر جس چیز کو وہ ایک دفعہ جھٹلا چکے تھے پھر اُسے وہ ماننے والے نہ تھے دیکھو اس طرح ہم منکرین حق کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔

Sealing of Hearts

We have narrated to you ˹O Prophet˺ some of the stories of those societies. Surely, their messengers came to them with clear proofs, but still they would not believe in what they had already denied. This is how Allah seals the hearts of those who deny the Truth. (7:101)

The purpose behind the 'sealing of hearts' mentioned in the preceding verse is also explained in the present verse. It is clear from the two verses that the 'sealing of hearts' means that man's capacity to hear and understand the truth is seriously, impaired because of the operation of natural, psychological laws. Because of these laws, once a person turns away from the truth because of his irrational prejudices and the dominance of lust, he becomes enmeshed in his own obstinacy and adamance. With the passage of time this adamance is compounded to such an extent that despite all rational and empirical evidence in support of the truth, he continues to reject it.

حدیث: ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو توحید پر پیدا کیا لیکن شیطان نے آکر انہیں بہکا دیا اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کردیں۔

حدیث: بخاری و مسلم میں ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اسے اس کے ماں باپ اسے یہودی نصرانی مجوسی بنا لیتے ہیں۔

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ: جس چیز کو وہ ایک دفعہ جھٹلا چکے تھے پھر اُسے وہ ماننے والے نہ تھے۔ اس آیت میں ان لوگوں کا حال بتلایا گیا ہے کہ ایک دفعہ غلط یا ناحق بات زبان سے نکل گئی تو پھر ساری زندگی اس غلط بات کی وکالت کرتے رہے۔ یہ اللہ کے منکر لوگوں کا رویہ ہوتا ہے جس میں بکثرت مسلمان بلکہ بعض علماء و خواص بھی مبتلا پائے جاتے ہیں کہ کسی چیز کو ایک دفعہ غلط یا جھوٹ کہہ دیا تو اب اس کی سچائی کے ہزاروں دلائل بھی سامنے آجائیں تو اپنی غلط بات کی پیروی کرتے رہیں گے۔ یہ حالت قہر خداوندی اور غضب الٰہی کا موجب ہے۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ: اسی طرح ہم منکرین حق کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ پچھلی آیت میں جو ارشاد ہوا تھا کہ ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں، پھر وہ کچھ نہیں سنتے، اس کی تشریح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خود ہی فرمادی ہے کہ دلوں پر مہر لگانے سے مراد ذہن انسانی کا اس نفسیاتی قانون کی زد میں آجانا ہے جس کی رو سے ایک دفعہ جاہلی تعصبات یا نفسانی اغراض کی بنا پر حق سے منہ موڑ لینے کے بعد پھر انسان اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے الجھاؤ میں الجھتا ہی چلا جاتا ہے اور کسی دلیل، کسی مشاہدے اور کسی تجربے سے اس کے دل کے دروازے قبول حق کے لیے نہیں کھلتے۔

حدیث: ایک حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے، دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا نقطہ اور تیسرا گناہ کرتا ہے تو تیسرا نقطہ لگ جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ برابر گناہوں میں بڑھتا گیا توبہ نہ کی تو یہ سیاہی کے نقطے اس کے سارے قلب کو گھیر لیتے ہیں اور انسان پر گناہوں کی نحوست طاری ہو جاتی ہے۔ اسی حالت کو قرآن میں الرّان یعنی دلوں کے زنگ سے تعبیر فرمایا ہے۔

عہد شکنی اور فسق و فجور

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ۔ (اعراف۔102)

اور ہم نے ان کی اکثریت میں عہد و پیمان کی پاسداری نہیں پائی اور ہم نے اکثر کو فاسق و فاجر پایا ہے۔

Dishonouring commitments

We did not find most of them true to their covenant. Rather, We found most of them truly rebellious. (7:102)

The statement that 'We did not find most of them true to their covenants' signifies the general propensity of people not to honour their commitments. They are neither faithful to the primordial covenant which they made with God which is binding on every mortal as God's servant and creature, nor faithful to the collective covenant which is binding on every human being as a member of the human fraternity. Nor are men generally faithful to the commitments which they make to God in hours of distress or in moments when their moral instincts are awake and astir. Violation of any of these covenants has been termed transgression.

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ: ہم نے ان کی اکثریت میں عہد کی پاسداری نہیں دیکھی۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر عہد کی پاسداری نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ عہد سے مراد عہد الست ہے جو ازل میں تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ان سب کی روحوں کو پیدا فرما کر لیا گیا تھا، جس میں حق تعالیٰ نے فرمایا الست بربکم یعنی کیا میں تمہارا پروردگار نہیں، اس وقت تمام ارواح انسانی نے اقرار اور عہد کے طور پر جواب دیا بلٰی یعنی ضرور آپ ہمارے رب ہیں۔ دنیا میں آکر اکثر لوگ اس عہد ازل کو بھول گئے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق پرستی میں مبتلا ہوگئے، اس لئے اس آیت میں فرمایا کہ ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد نہ پایا، یعنی عہد کی پاسداری اور ایفاء نہ پایا۔ (کبیر)

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ عہد سے مراد عہد ایمان ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا: اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۔ اس میں عہد سے عہد ایمان واطاعت مراد ہے، تو آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر نے ایمان وطاعت کا عہد ہم سے باندھا تھا پھر اس کی خلاف ورزی کی۔

عہد باندھنے سے مراد یہ ہے کہ عموماً انسان جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اس وقت کتنا ہی فاسق فاجر ہو اس کو بھی خدا ہی یاد آتا ہے اور اکثر دل یا زبان سے عہد کرتا ہے کہ اس مصیبت سے نجات مل گئی تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت میں لگ جاؤں گا، نافرمانی سے بچوں گا جیسا کہ قرآن کریم میں بہت سے لوگوں کا یہ حال ذکر کیا گیا ہے، لیکن جب ان کو نجات ہو جاتی ہے اور آرام وراحت ملتی ہے تو پھر ہویٰ وہوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس عہد کو بھول جاتے ہیں۔

آیت مذکورہ میں لفظ اکثَرَ سے اس کی طرف اشارہ بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ بہت سے لوگ تو ایسے شقی ہوتے ہیں کہ مصیبت کے وقت بھی انہیں رب یاد نہیں آتا اور اس وقت بھی وہ ایمان وطاعت کا عہد نہیں کرتے۔ تو ان سے بدعہدی کی شکایت کے کوئی معنی نہیں، اور بہت سے لوگ وہ بھی ہیں جو عہد کو پورا کرتے ہیں، ایمان و اطاعت کے حقوق ادا کرتے ہیں اس لئے فرمایا وَمَاوَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ یعنی ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں ایفائے عہد نہ پایا اس کے بعد فرمایا: وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ۔ یعنی ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں کو اطاعت و فرماں برداری سے خارج پایا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں عہد سے تین قسم کے عہد مراد ہیں:

اولاً وہ فطری عہد جس میں پیدائشی طور پر ہر انسان اللہ کا بندہ اور پروردہ ہونے کی حیثیّت سے بندھا ہوا ہے جس کو اسلام کی اصطلاح میں عہد الست کہتے ہیں۔

ثانیاً اس معاشرتی اجتماعی عہد کا خیال رکھنا جس میں ہر فرد انسانی برادری کا ایک رکن ہونے کی حیثیّت سے بندھا ہوا ہے۔

ثالثاً اس ذاتی عہد کا لحاظ رکھنا جو آدمی اپنی مصیبت اور پریشانی کے لمحوں میں یا کسی جذبہ خیر کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے بطور خود باندھا کرتا ہے۔

ان تینوں عہدوں کے توڑنے کو یہاں فسق قرار دیا گیا ہے۔

سیرت حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام

یہاں تک پچھلے انبیاء (علیہم السلام) اور ان کی قوموں کے پانچ واقعات کا بیان کرکے مخاطبین قرآن کو ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے تنبیہات فرمائی گئی ہیں۔ اس کے بعد یہاں سے یعنی سورت اعراف آیت۔103 سے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر شروع ہو رہا ہے جنہیں فرعون مصر اور اس کی قوم کی طرف دلائل و معجزات دے کر بھیجا گیا تھا۔ سیرت موسیٰؑ کے ضمن میں سینکڑوں احکام و مسائل اور عبرت و نصیحت اور تذکیر پر مشتمل آیات ہیں۔

موسیٰؑ اور فرعون کی آویزش

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ۔ (اعراف۔103)

پھر اُن قوموں کے بعد (جن کا ذکر اوپر کیا گیا) ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں (معجزات) کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے امراء کے پاس بھیجا مگر انہوں نے بھی ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کیا (انکار کیا)، پس دیکھو کہ ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔

Then We sent after them Moses with Our signs to Pharaoh and his elite, but they were unjust toward them. So, see how the end of the corrupters was. (7:103)

The stories narrated in the Qur'an bring home unmistakenly the point that people who reject God's Message are not spared; rather they are destroyed. In narrating at length, the story of Moses and Pharaoh, the Qur'an provides some important lessons.

ہر فرعون راموسیٰ

لفظ فرعون کے معنی ہیں سورج دیوتا کی اولاد۔ قدیم اہل مصر سورج کو مہادیو یا ربِ اعلیٰ کہتے تھے۔ اسی لیے ہر شاہی خاندان جو مصر میں بر سر اقتدار آتا تھا، اپنے آپ کو سورج بنسی بنا کر پیش کرتا، اور ہر فرماں روا جو تخت نشین ہوتا، "فرعون" کا لقب اختیار کر کے باشندگان ملک کو یقین دلاتا کہ تمہارا ربِ اعلیٰ یا مہادیو میں ہوں۔ اس لحاظ سے فرعون شخصی نام نہیں بلکہ ایک ٹائٹل یا عہدہ تھا۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کے قصے کے سلسلہ میں دو فرعونوں کا ذکر آتا ہے۔ ایک وہ جس کے زمانہ میں آپ پیدا ہوئے اور جس کے گھر میں آپ نے پرورش پائی۔ دوسرا وہ جس کے پاس آپ اسلام کی دعوت اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ لے کر پہنچے اور بالآخر غرق ہوا۔

وَ قَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (اعراف۔104)

موسیٰؑ نے فرمایا: اے فرعون! میں کائنات کے مالک کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں۔

And Moses said: O Pharaoh! I am truly a messenger from the Lord of all worlds. (7:104)

Pharaoh' literally means 'the offspring of the sun-god'. The ancient Egyptians used to worship the Sun and called it their supreme deity. It was for this reason that all Egyptian rulers claimed their authority on the basis of their association with the Sun, and every ruler who mounted the

Egyptian throne called himself Pharaoh (the offspring of sun-god), trying thereby to assure his people that he was their supreme deity.

It may be noted that the Qur'anic narrative regarding Moses refers to two Pharaohs. The first of these was one during whose reign Moses was born and, in whose palace, he was brought up. The second Pharaoh to Whom reference is made is the one whom Moses invited to Islam and who was asked to liberate the Israelites. It is this latter Pharaoh who was finally drowned.

حضرت موسیٰ(علیہ السلام)کے اور فرعون کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ اللہ کے کلیم نے فرمایا کہ اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ جو تمام عالم کا خالق و مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتوں کی نسبت!

حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭقَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ۔ (اعراف۔105)

میرے شایان شان یہی ہے کہ اللہ کا نام لے کر کوئی بات حق کے سوا نہ کہوں، میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے صریح دلیل لے کر آیا ہوں، لہٰذا تو بنی اسرائیل کو (غلامی سے آزاد کرکے) میرے ساتھ بھیج دے۔

I am obliged to say nothing about Allah except the truth. Indeed, I have come to you with clear proof from your Lord, so let the children of Israel go with me."

Prophet Moses (Peace be upon him) was sent to Pharaoh to invite him to two things; first, to submit to God (i.e. Islam); and second, give freedom to Moses's nation who were already Muslims – from Pharoah's oppressive bondage.

حضرت موسیٰؑ دو چیزوں کی دعوت لے کر فرعون کے پاس بھیجے گئے تھے۔ایک یہ کہ وہ اللہ کی بندگی (اسلام) قبول کرے، دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل کی قوم کو جو پہلے سے مسلمان تھی اپنے پنجہ ظلم سے رہا کر دے تاکہ وہ آزاد قوم کی حیثیت سے زندگی گذاریں اور آزادی کے ساتھ اپنے دین پر عمل کر سکیں۔

Give freedom to my nation!

موسیٰؑ کا فرعون سے مطالبہ: میری قوم کو آزاد کرو

فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ: (اے فرعون!) تُو بنی اسرائیل کو (اپنی غلامی سے آزاد کر کے) میرے ساتھ بھیج دے۔(اعراف۔105)

بنی اسرائیل جن کا اصل مسکن شام کا علاقہ تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر چلے گئے تھے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ فرعون نے ان کو غلام بنا لیا تھا اور ان پر طرح طرح کے مظالم کرتا تھا، جس کی تفصیل پہلے سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہ مطالبہ کیا کہ میری قوم بنی اسرائیل کو اپنے مظالم سے آزاد کر دے، انہیں اپنی زبردستی کی غلامی سے نکال دے تاکہ یہ اپنے آبائی مسکن میں جا کر عزت و احترام کے ساتھ زندگی گزاریں اور آزادی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کریں۔

فرعون کا معجزے کا مطالبہ

موسیٰؑ کے معجزات

ید بیضا، عصائے موسیٰؑ اور فرعون

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ۔ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ۔ (اعراف۔106۔108)

فرعون نے کہا: اگر تو کوئی نشانی لایا ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے تو اسے پیش کر۔ تو موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا وہ اسی وقت صریحاً اژدہا بن گیا۔ اور پھر اپنے ہاتھ کو نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لئے انتہائی روشن اور چمکدار تھا۔

Demand of Miracles!

Pharaoh said: If you have come with a sign, then bring it if what you say is true. So, Moses threw down his staff and—behold! —it became a real snake. Then he drew his hand ˹out of his collar˺ and it was ˹shining˺ white for all to see. (7:106.108)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو اور جادوگری کو بڑا عروج حاصل تھا، اس لئے حضرت موسیٰؑ کے پیش کردہ معجزات کو بھی انہوں نے جادو ہی سمجھا اور جادو کے ذریعے اس کا توڑ کرنے کا منصوبہ بنایا اور مقابلے کا چیلنج دے دیا۔

فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ: حضرت موسیٰؑ نے اس کے مطالبہ کو مانتے ہوئے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی وہ اژدھا بن گئی۔ بعض تاریخی روایات میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ اس اژدھا نے سب سے پہلے فرعون کی طرف اپنا پھن پھیلا کر پھنکار ماری تو فرعون نے گھبرا کر تخت شاہی سے کود کر حضرت موسیٰؑ کے پاس پناہ لی۔(تفسیر کبیر)

وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ: بیضاء کے لفظی معنی سفید کے ہیں اور ہاتھ کا سفید ہوجانا کبھی برص کی بیماری کے سبب بھی ہوا کرتا ہے، اس لئے ایک دوسری آیت میں اس جگہ من غیر سوء کا لفظ بھی آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہاتھ کی سفیدی کسی بیماری کے سبب نہ تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفیدی بھی معمولی سفیدی نہ تھی بلکہ اس کے ساتھ روشنی ہوتی تھی جس سے ساری فضا اور ماحول روشن ہوجاتا تھا۔(قرطبی)

اس جگہ لفظ لِلنّٰظِرِیْنَ بڑھا کر اس روشنی کے خاص ہونے کی طرف اشارہ فرمادیا گیا ہے کہ یہ ایسی خاص روشنی تھی کہ اس کو دیکھنے کے لئے ناظرین جمع ہوجاتے تھے۔

اس وقت فرعون کے مطالبہ پر حضرت موسیٰؑ نے دو معجزے دکھلائے تھے۔ ایک لاٹھی کا اژدھا بن جانا دوسرا ید بیضا یعنی ہاتھ کو گریبان یا بغل میں ڈال کر نکالنے سے اس میں روشنی پیدا ہوجانا۔ پہلا معجزہ مخالفین کی ترہیب اور ڈرانے کے لئے تھا، اور دوسرا معجزہ ان کی ترغیب اور قریب کرنے کے لئے تھا، جس میں اشارہ تھا کہ موسیٰؑ کی تعلیم ایک نور ہدایت رکھتی ہے اس کا اتباع باعث فلاح ونجات ہے۔

چوتھا رکوع: قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ۔۔۔ (اعراف۔109)

رکوع کے تفسیری موضوعات

حضرت موسیٰؑ پر جادو گری کا الزام، معجزہ اور جادو میں فرق، فرعونی حکومت کا اقتدار چھن جانے کا خوف(یرید ان یخرجکم من ارضکم)، مقابلے کا چیلنج، فرعون کا انعام کا لالچ، حضرت موسیٰؑ کا جادوگروں سے مقابلہ، جھوٹے طلسم کی حقیقت کھل گئی، جھوٹ شکست کھا گیا(فوقع الحق وبطل ما کانو یعملون)، ساحرین کا ایمان لانا، جادوگر سجدہ ریز ہوگئے، فرعون کی چال الٹی پڑ گئی، آمر حکمران فرعون آگ بگولہ(آمنتم بہ قبل ان آذن لکم)، سزاء کا اعلان سننے پر ایماندار ساحرین کا رد عمل(انّا الٰی ربّنا لمنقلبون)، ساحرین کی حق پر استقامت، ثابت قدمی اور خاتمہ بالایمان کی دعا(ربّنا افرغ علینا صبراً وتوفنا مسلمین)۔

موسیٰ علیہ السلام پر جادو گری کا الزام

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ۔ (اعراف۔109)

اس پر فرعون کی قوم کے سرداروں نے آپس میں کہا کہ یقیناًیہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔

The chiefs of Pharaoh's people said: He is indeed a skilled wizard. (7:109)

جیسا کہ پچھلے رکوع میں بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو اور جادوگری کا رواج عام تھا۔ عوام پر جادوگروں کا نفسیاتی رعب تھا۔ شاید حضرت موسیٰؑ کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ اسی لئے عطا فرمایا کہ گیا کہ جادوگروں سے مقابلہ ہو اور معجزہ کے مقابلہ میں جادو کی رسوائی سب لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدیم عادت بھی یہی ہے کہ ہر زمانہ کے پیغمبر کو اس زمانہ کے مناسب معجزات عطا کئے جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں حکمت یونانی اور طب یونانی اپنے عروج پر تھی تو ان کو معجزہ یہ دیا گیا کہ مادر زاد اندھوں کو بینا بنادیں اور جزامی کوڑھیوں کو تندرست کردیں۔ نبی کریم ﷺ کے عہد میں عرب کا سب سے بڑا کمال فصاحت وبلاغت تھا تو حضور اکرمؐ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن بنایا گیا جس کے مقابلہ سے سارا عرب وعجم عاجز ہوگیا۔

حضرت موسیٰؑ کے معجزات کے رد عمل میں قوم فرعون کے رہنماء کہنے لگے کہ یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے۔ ان کے اس جواب کی وجہ یہ تھی کہ ان بیچاروں نے ساری عمر فرعون کو اپنا خدا اور جادوگروں کو اپنا رہبر سمجھا اور جادوگروں کے شعبدوں اور کرتبوں ہی کو دیکھا تھا، وہ اس حیرت انگیز واقعہ کو دیکھ کر اس کے سوا کہہ ہی کیا سکتے تھے کہ یہ بھی کوئی بڑا جادو ہے۔ البتہ ان

لوگوں نے حضرت موسیٰؑ کے معجزہ کے متعلق یہاں ساحر کے ساتھ علیم کا لفظ بڑھا کر اپنا ادراک و احساس ظاہر کر دیا کہ یہ کام عام جادوگروں کے کام سے ممتاز اور مختلف ہے۔

اس سے ایک نکتہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل باطل کا یہ عام طرز عمل ہے کہ حق پر پردہ ڈالنے اور سچائی سے انکار کے لئے پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے اور صحیح چیز کو غلط عنوان دے کر پیش کیا جاتا ہے۔ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں نے بھی لوگوں سے یہی کہا کہ یہ بڑے ماہر جادوگر ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ اقتدار پر قبضہ کر لیں۔

معجزہ اور جادو میں فرق

اللہ تعالیٰ ہمیشہ انبیاء (علیہم السلام) کے معجزات کو اسی انداز سے ظاہر فرماتے ہیں کہ اگر دیکھنے والے ذرا بھی غور کریں اور ہٹ دھرمی اختیار نہ کریں تو معجزہ اور سحر کا فرق خود بخود سمجھ لیں۔ سحر کرنے والے عموماً ناپاکی اور گندگی میں رہتے ہیں اور جتنی زیادہ گندگی اور ناپاکی میں ہوں اتنا ہی ان کا جادو زیادہ کامیاب ہوتا ہے۔ بخلاف انبیاء (علیہم السلام) کے کہ طہارت و نظافت ان کی طبیعت ثانیہ ہوتی ہے۔ اہل بصیرت اصل حقیقت کو جانتے ہیں کہ جادو سے جو چیزیں ظاہر کی جاتی ہیں وہ سب دائرہ اسباب طبعیہ کے اندر ہوتی ہیں، فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ اسباب عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتے، بلکہ مخفی اسباب ہوتے ہیں، اس لئے وہ یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ یہ کام بغیر کسی ظاہری سبب کے ہو گیا، بخلاف معجزہ کے کہ اس میں اسباب طبعیہ کا مطلق کوئی دخل نہیں ہوتا، وہ براہ راست قدرت کا فعل ہوتا ہے، اسی لئے قرآن کریم میں اس کو حق تعالے کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ وما رمیت اذ رمیت ولٰکنّ اللہ رمٰی۔ اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ اور سحر کی حقیقتیں بالکل مختلف اور متباین ہیں۔ حقیقت شناس کے لئے تو کوئی التباس کی وجہ ہی نہیں عوام کو التباس ہو سکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس التباس کو دور کرنے کے لئے بھی ایسے امتیازات رکھ دیئے گئے تاکہ لوگ دھوکہ سے بچ جائیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے پیش کردہ معجزات کے رد عمل میں فرعون کے درباریوں نے ایمان لانے کے بجائے یہ کہہ دیا یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے جس کا مقصد فرعون کی حکومت ختم کرنا ہے۔ پھر اپنی اس تشویش کے بعد مشورے کرنے لگے کہ اگر یہ معاملہ یونہی رہا تو لوگ اس کی طرف مائل ہو جائیں گے اور جب یہ شہرت حاصل کرے گا تو ہم سے بادشاہت چھین لے گا ہمیں جلاوطن کر دے گا بتاؤ کیا کرنا چاہئے؟ چنانچہ انہوں نے اس کا توڑ کرنے کا منصوبہ بنایا اور مقابلے کا چیلنج بھی دے دیا۔

اقتدار و اختیار چھن جانے کا خوف

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ۔(اعراف۔110)

(اس پر فرعون نے کہا) یہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتا ہے تو تم کیا مشورہ دیتے ہو؟

False propaganda against Prophet Moses!

⌈So Pharaoh said⌉: He (Moses) wants to drive you out from your land. So, what do you advise? (7:110)

The above statement raises the question as to how a destitute member of the slave nation could pose such a serious threat to an emperor as mighty as Pharaoh. This is especially when one considers that Pharaoh was not only an absolute ruler over territory which stretched in one direction from Syria to Libya and in the other from the Mediterranean coast to Ethiopia, but he was also a self-claimed deity deserving worship, also known as god king.

One might also wonder how the transformation of Moses' rod into a serpent could be considered an event of such magnitude as to give rise to the fear that Moses would overthrow the entrenched empire and unseat the so-called god king Pharoh as well as the entire ruling class. It might further seem strange that the mere declaration of prophethood and the demand to give liberty to people caused such an upsetting situation for the elite class. The answer is that the message of Moses was to promote positive change and democracy based on divine guidance to end the dictatorship of Pharoh. That's why the Prophet Moses was considered a potential threat to Pharoh. All were aware of his extraordinary abilities and his inherent calibre as a leader of his nation or community. Furthermore, during the course of his eight years in the desert working as a shepherd – he had purged himself of all his weaknesses and become a mature and strong person. Hence, when the Pharaonic court was confronted

by a mature, serene, and pious person who came forth with the divine message, it was obviously impossible for them to give short shrift to his claim. On the one hand they dubbed Moses a sorcerer and wizard, and on the other hand they accused him of plotting to banish the Pharoh and his ruling class from their own land. It is clear that had they taken Moses for a mere wizard, they would not have expressed fears change in the society. For wizardry has never brought any positive change in the world.

مقابلے کا چیلنج

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآىِٕنِ حٰشِرِيْنَ۔ يَأْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ۔ (اعراف۔111۔112)

پھر اُن سب نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اسے اور اس کے بھائی کو انتظار میں رکھیے۔ اور (مختلف) شہروں میں (جادوگروں کو) جمع کرنے والے افراد بھیج دو۔ کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں۔

They replied: Let him and his brother wait and send mobilizers to all cities. To bring every skilled wizard to your presence. (7:111.112)

The Pharaoh's plan clearly suggests that they knew the difference between mere sorcery and a miracle. They were well aware that miracles are effective and have the capacity to bring about actual transformation whereas wizardry results merely in optic illusion. Hence, they dubbed Moses a wizard so as to refute his claim to prophethood. They claimed instead that the transformation of the rod into a serpent was not a miracle; that it was rather a magical performance which could be undertaken by any wizard or sorcerer. Therefore, they asked all the sorcerers of the land to come together and display how rods could be magically transformed into serpents. They believed that such a magical show would remove the

awesome effect created by Moses' miracles on the people, or at least sow doubts in their minds about those miracles.

انعام کالالچ

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ۔ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ

(اعراف۔۔113-114)

اور جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے، کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آگئے تو ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ فرعون نے جواب دیا: ہاں! اور تم مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔

The wizards came to Pharaoh, saying: Shall we receive a ˹suitable˺ reward if we prevail? Pharoh replied: Yes, and you will certainly be among those closest to me. (7:113.114)

فرعونی جادوگر، چونکہ طالب دنیا تھے، دنیا کمانے کے لئے ہی شعبدہ بازی کا فن سیکھتے تھے، اس لئے آتے ہی پہلی بات سودے بازی کی شروع کی۔ انہوں نے موقع غنیمت جانا کہ اس وقت تو بادشاہ کو ہماری ضرورت لاحق ہوئی ہے کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ اجرت حاصل کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا مطالبہ اجرت، پیش کر دیا اور پہلے ہی فرعون سے وعدہ لے لیا تاکہ محنت رائیگاں نہ جائے اور اگر ہم جیت جائیں تو خالی ہاتھ نہ رہ جائیں۔ اس کے برعکس انبیاء (علیہم السلام) اور ان کے نائبین کا رویہ مختلف ہوتا ہے۔ وہ ہر قدم پر یہ اعلان کرتے ہیں کہ: وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی ہم جو پیغام حق تمہارے فائدہ کے لئے تمہیں پہنچاتے ہیں اس پر تم سے کسی معاوضہ کے طالب نہیں، بلکہ ہمارا معاوضہ صرف رب العالمین نے اپنے ذمہ لیا ہے۔

جادوگروں سے مقابلہ

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ۔ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ۔ (اعراف۔115-116)

ان جادو گروں نے کہا: اے موسیٰ! آپ عصا پھینکیں گے یا ہم اپنے کام کا آغاز کریں۔ (موسیٰ علیہ السلام) نے فرمایا کہ تم ہی ابتداء کرو۔ پس جب انہوں نے اپنے آنچھر (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو نگاہوں کو مسحور اور دلوں کو خوف زدہ کر دیا اور بڑا ہی زبردست جادو بنالائے۔

They asked: O Moses! Will you cast, or shall we be the first to cast? Moses said, "You first." So, when they did, they deceived the eyes of the people, stunned them, and made a great display of wizardry. (7:115.116)

جادو گروں کو اپنے فن پر بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ سب فی الحقیقت اپنے فن جادو گری کے لاجواب استاد تھے۔ اس لئے انہوں نے آتے ہی حضرت موسیٰ کو چیلنج دیا کیونکہ انہیں اپنے آپ پر مکمل اعتماد تھا۔ انہیں پورا یقین تھا کہ ہمارے جادو کے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ جسے وہ ایک کرتب ہی سمجھ رہے تھے، اس کی کوئی حیثیت نہیں، اور اگر موسیٰ علیہ السلام کو پہلے اپنے کرتب دکھانے کا موقع دے بھی دیا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، ہم اس کے کرتب کا توڑ بہر صورت کر لیں گے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اول تو جادو خود ہی ایک حرام فعل ہے، پھر جب وہ کسی پیغمبر کو شکست دینے کے لئے استعمال کیا جائے تو بلاشبہ کفر ہے، پھر موسیٰؑ نے کیسے ان لوگوں کو اس کی اجازت دینے کے لئے فرمایا اَلْقُوْا یعنی تم ڈالو۔ یہاں حضرت موسیٰؑ نے اپنی اولوالعزمی کا ثبوت دینے کے لئے ان کو ہی موقع عطا فرمایا۔ اس کے علاوہ اس میں ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ جادو گری کی کھلی شکست پہلے ہی قدم پر سامنے آجائے۔ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت موسیٰؑ کا یہ ارشاد ان کو جادو گری کرنے کی اجازت کے لئے نہیں بلکہ ان کی رسوائی کو واضح کرنے کے لئے تھا کہ اچھا تم ڈال کر دیکھو کہ تمہارے جادو کا کیا انجام ہوتا ہے۔

جھوٹے طلسم کی حقیقت کھل گئی

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ۔ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (اعراف۔117۔118)

ہم نے موسیٰؑ کو اشارہ کیا کہ اپنا عصا (زمین پر) ڈال دیجئے۔ وہ فوراً (بڑا اژدھا بن کر) آن کی آن میں وہ ان کے اس جھوٹے طلسم کو نگلتا چلا گیا۔ اس طرح جو حق تھا وہ حق ثابت ہوا اور جو کچھ اُنہوں نے بنا رکھا تھا وہ باطل ہو کر رہ گیا۔

Then We inspired Moses, "Throw down your staff," and—behold! —it devoured the objects of their illusion! So, the truth prevailed, and their illusions failed. (7:117.118)

The Qur'anic statement means that the staff of Moses swallowed up the falsehood faked by them. It removed the magical effect which had caused the transformation of their ropes and rods into serpents. The Moses's staff reverted the fake serpents into their original condition of ropes and rods.

لیکن یہ جو کچھ بھی تھا ایک تخیلاتی کرتب، شعبدہ بازی اور جادو تھا جو حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا ڈالتے ہی سب کچھ ختم ہو گیا اور ان کی لاٹھی نے ایک خوفناک اژدھا کی شکل اختیار کر کے ان کے اس جھوٹے طلسم اور فریب کاری کو نگل لیا۔

جھوٹ شکست کھا گیا

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ۔ (اعراف۔119)

فرعون اور اس کے ساتھی میدان مقابلہ میں مغلوب ہوئے اور (فتح مند ہونے کے بجائے) الٹا رسواء ہو گئے۔

So, they (Pharoh and his people) were defeated there and then and were returned disgraced. (7:119)

Thus, God turned the tables on Pharaoh and his ruling people. They arranged the magic show in the hope that it would convince the people that Moses was just a sorcerer and wizard, and thus make them sceptical about his claim to prophethood. But the actual outcome was quite the opposite. The wizards and sorcerers who had been assembled were defeated. Not only that it was also unanimously acknowledged that the signs displayed by Moses in support of his claim were not feats of magic. Rather, his signs rather manifested the might of God, the Lord of the universe, and hence could not be overcome by illusion and wizardry.

جادو گروں کا ایمان لانا

جادوگر سجدہ ریز ہوگئے

وَ اُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ۙ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ۔ (اعراف۔122-120)

(یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے، کہنے لگے: ہم ایمان لائے رب العالمین پر، اُس رب کو جسے موسیٰؑ اور ہارونؑ مانتے ہیں۔

And the wizards were cast down, prostrate in adoration while saying; we believe in the Lord of the worlds. The Lord of Moses and Aaron. (7:120)

اس حقیقت کے آشکار ہونے پر جادوگر اپنا ایمان چھپانہ سکے جان کے خوف کے باوجود وہ اسی میدان میں سجدہ ریز ہوگئے اور کہنے لگے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جادو نہیں۔ یہ تو اللہ کی طرف سے معجزہ ہے جو خود اللہ نے اسے عطا فرمار کھا ہے۔

بقول شاعر: کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے

جادوگروں نے کہا کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ۔ ہم تو اس اللہ پر ایمان لائے جو حقیقتاً رب العالمین ہے۔ ہم نے ان دونوں بھائیوں اور اللہ کے سچے نبیوں یعنی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارون (علیہما السلام) کے پروردگار کو اپنا رب مان لیا۔

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ سجدے میں گرنے کے بعد انہوں نے ربّ العالمین پر ایمان لانے کا اعلان کیا ورنہ فرعونیوں کو مغالطہ ہو سکتا تھا کہ یہ سجدہ فرعون کو کیا گیا ہے کیونکہ فرعونی دور میں فرعون کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کا سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اس لئے ساحرین نے سجدہ کرتے ہوئے بیانگ دہل موسیٰ وہارون کا رب کہہ کر واضح کر دیا کہ یہ سجدہ ہم جہانوں کے رب کو ہی کر رہے ہیں، لوگوں کے کسی خود ساختہ رب کو نہیں۔

فرعون کی چال الٹی پڑ گئی

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کی چال کو الٹا انہی پر پلٹ دیا۔ انہوں نے تمام ملک کے ماہر جادوگروں کو بلا کر منظر عام پر اس لیے مظاہرہ کیا تھا کہ عوام الناس کو حضرت موسیٰؑ کے جادوگر ہونے کا یقین دلائیں یا کم از کم شک ہی میں ڈال دیں۔ لیکن اس مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد خود ان کے اپنے بلائے ہوئے ماہرین فن نے بالاتفاق فیصلہ کر دیا کہ حضرت موسیٰؑ جو چیز پیش

کررہے ہیں وہ ہرگز جادو نہیں ہے بلکہ یقیناًرب العالمین کی طاقت کا کرشمہ ہے جس کے آگے کسی جادو کا زور نہیں چل سکتا۔ظاہر ہے کہ جادو کو خود جادوگروں سے بڑھ کر اور کون جان سکتا تھا۔پس جب انہوں نے عملی تجربے اور آزمائش کے بعد شہادت دے دی کہ یہ چیز جادو نہیں ہے، تو پھر فرعون اور اس کے درباریوں کے حضرت موسیٰؑ کے خلاف پروپیگنڈے کا پول کھل گیا۔

مطلوبہ نتائج نہ ملنے پر فرعون آگ بگولہ

فرعون جادوگروں کے مقابلے میں مطلوبہ نتائج نہ ملنے پر آگ بگولہ ہوگیا۔ساحرین کی شکست اور ان کے ایمان قبول کرنے کو ایک سازش قرار دیتے ہوئے دھمکیوں پر بھی اتر آیا۔اسی غصّے کی حالت میں ایماندار ساحرین کو سخت سے سخت سزاء دینے کا اعلان بھی کر دیا:

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔(اعراف۔123۔124)

فرعون نے کہا تم اس پر میری اجازت سے پہلے ہی ایمان لے آئے۔یقیناًیہ کوئی خفیہ سازش تھی جو تم لوگوں نے اس سلطنت میں کی تا کہ اس کے مالکوں کو اقتدار سے بے دخل کر دو۔ اس کا نتیجہ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا اور اس کے بعد تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔

Pharaoh threatened: How dare you believe in him before I give you permission? This must be a conspiracy you devised in the city to drive out its people, but soon you will see. I will certainly cut up your hands and your legs alternately, then crucify you all. (7:123.124)

اس سے پہلی آیات میں ذکر کیا گیا تھا کہ فرعون نے اپنی قوم کے سرداروں کے مشورہ سے موسیٰؑ کے مقابلہ کے لئے جن ساحروں کو پورے ملک سے جمع کیا تھا وہ میدان مقابلہ میں شکست کھا گئے۔اور صرف یہی نہیں کہ اپنی ہار مان لی بلکہ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے۔تاریخی روایات میں ہے کہ جادوگروں کے سردار مسلمان ہوگئے تو ان کو دیکھ کر قوم فرعون کے چھ لاکھ آدمی بھی حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔اس مقابلہ اور مناظرہ سے پہلے تو صرف دو حضرات موسیٰ اور ہارون(علیہما السلام) فرعون کے مخالف تھے۔اس مقابلہ کے بعد بڑے بڑے جادوگر جو قوم میں اقتدار کے مالک تھے اور ان کے

ساتھ چھ لاکھ عوام بھی مسلمان ہو کر ایک بہت بڑی طاقت فرعون کے مقابلہ پر آ گئی۔ اس وقت فرعون کی پریشانی اور بے چینی واضح تھی مگر اس نے اس کو چھپا کر ایک چالاک ہوشیار آمر حکمران کی طرح پہلے تو جادو گروں پر بغاوت کا الزام لگایا کہ تم نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ خفیہ سازش کر کے یہ کام اپنے ملک و ملت کو نقصان پہنچانے کے لئے کیا ہے: اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ۔ یعنی یہ ایک سازش ہے جو تم نے میدان مقابلہ میں آنے سے پہلے شہر کے اندر آپس میں کر رکھی تھی۔ اور پھر جادو گروں کو خطاب کر کے کہا اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ یعنی کیا تم نے میری اجازت سے پہلے ہی ایمان قبول کر لیا۔ یہ استفہام انکاری بطور زجر و تنبیہ کے تھا۔ اس چالاکی سے فرعون نے ایک طرف تو لوگوں کے سامنے موسیٰؑ کے معجزہ اور جادو گروں کے ایمان کو ایک سازش قرار دے کر ان کو قدیم گمراہی میں مبتلا رکھنے کا انتظام کیا، اور دوسری طرف سیاسی چالاکی یہ کی کہ موسیٰؑ کا عمل اور جادو گروں کا اسلام جو خالص فرعون کی گمراہی کو کھولنے کے لئے تھا، قوم اور عوام سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا اس کو ایک قومی مسئلہ بنا کر سیاسی رنگ دینے کی کوشش کی: لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا۔ یعنی تم لوگوں نے یہ سازش اس لئے کی ہے کہ تم چاہتے ہو کہ ملک مصر پر تم غالب آ جاؤ اور اس کے باشندوں کو یہاں سے نکال دو۔

سزاء کا اعلان سننے پر ایماندار ساحرین کا ردعمل

فرعون کے اس سزاء کے اعلان کے جواب میں ایماندار ساحرین نے کہا:

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ۔ (اعراف۔125)

انہوں نے جواب دیا: بہر حال ہمیں پلٹنا ہے اپنے رب ہی کی طرف۔

They responded: Surely to our Lord we will ˹all˺ return. (7:125)

ساحرین کے اس جملے کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اے فرعون! اگر تو آج ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا تو تجھے بھی اس بات کے لئے تیار رہنا چاہیے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تجھے اس جرم کی سزا ضرور دے گا، اس لئے کہ ہم سب کو بالآخر اسی ربّ کے پاس جانا ہے۔ لہٰذا اس کی سزا سے کون بچ سکتا ہے؟ گویا ساحرین نے فرعون کو اس کے عذاب دنیا کے مقابلے میں اسے عذاب آخرت سے ڈرایا۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ساحرین کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ موت تو ہمیں آنی ہی آنی ہے اور بالآخر ہمیں ربّ العالمین کے حضور حاضری دینی ہے تو کیوں نہ ہم ایمان کے ساتھ دنیا سے جائیں لہٰذا ہمیں تمہاری سزاء کی کوئی پرواہ نہیں۔ ہمیں اس سے کیا فرق نہیں پڑتا کہ ہماری موت سولی پر آئے یا بستر مرگ پر۔

ساحرین کی حق پر استقامت اور ثابت قدمی

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا۔ (اعراف۔126)

تو جس بات پر ہم سے انتقام لینا چاہتا ہے وہ اِس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے سامنے آ گئیں تو ہم نے انہیں مان لیا۔

Your rage towards us is only because we believed in the signs of our Lord when they came to us. (7:126)

Faced with utter failure Pharaoh finally resorted to branding the whole magic tournament as a conspiracy concocted by Moses. Under threat of death and physical torture he asked the wizards to confess that they had acted in collusion with Moses. This last move by Pharaoh was ineffectual. For the wizards readily agreed to endure every torture, clearly proving thereby that their decision to accept Moses' message reflected their sincere conviction and that no conspiracy was involved. Pharaoh was hardly left with any choice. He, therefore, gave up all pretence to follow truth and justice, and brazenly resorted to persecution instead.

The tremendous and instantaneous change which took place in the characters of the wizards is also of significance. The wizards had come all the way from their homes with the purpose of vindicating their ancestral faith and receiving pecuniary reward from Pharaoh for overcoming Moses. However, the moment true faith illumined their hearts, they displayed such resoluteness of will and love for the truth that they contemptuously turned

down Pharaoh's offer and demonstrated their full readiness to endure even the worst punishments for the sake of the truth that had dawned upon them.

فرعون نے پانسہ پلٹتے دیکھ کر آخری چال یہ چلی تھی کہ اس سارے معاملہ کو موسیٰؑ اور جادوگروں کی سازش قرار دے دے۔ لیکن یہ چال بھی الٹی پڑ گئی۔ جادوگروں نے اپنے آپ کو ہر سزا کے لیے پیش کر کے ثابت کر دیا کہ ان کا موسیٰؑ کی صداقت پر ایمان لانا کسی سازش کا نہیں بلکہ سچے اعتراف حق کا نتیجہ تھا۔ اب اس کے لیے کوئی چارہ کار اس کے سوا باقی نہ رہا کہ حق اور انصاف کا ڈھونگ جو وہ رچانا چاہتا تھا اسے چھوڑ کر صاف صاف ظلم وستم شروع کر دے۔

یہاں یہ بات بھی قابل دید ہے کہ چند لمحوں کے اندر ایمان نے ان جادوگروں کی سیرت میں کتنی بڑی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ان جادوگروں کا حال یہ تھا کہ اپنے آبائی دین کی نصرت وحمایت کے لیے گھروں سے چل کر آئے تھے اور فرعون سے پوچھ رہے تھے کہ اگر ہم نے موسیٰؑ کو شکست دے دی تو ہمیں کیا انعام ملے گا؟ لیکن جب ایمان کی سعادت نصیب ہوئی تو ان کی حق پرستی اور ثابت قدمی اس حد کو پہنچ گئی کہ تھوڑی دیر پہلے جس بادشاہ کے آگے لالچی بن کر کھڑے تھے اب اس کی جھوٹی خدائی اور اس کے جبروت کو ٹھوکر مار رہے تھے اور ان بدترین سزاؤں کو بھگتنے کے لیے تیار تھے جن کی دھمکی فرعون دے رہا تھا مگر اس دین حق کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے جس دین کی سچائی ان پر واضح ہو چکی تھی۔

اس آیت میں فرعون کے انتقامی عزم کے جواب میں ایماندار جادوگروں کا جواب ذکر کیا گیا:

جادوگروں نے فرعون کو کہا کہ تیرے نزدیک ہمارا ایمان لانا ایک عیب ہے جس پر تو ہم سے ناراض ہو گیا ہے اور ہمیں سزا دینے پر تل گیا ہے۔ حالانکہ یہ سرے سے عیب ہی نہیں یہ تو خوبی ہے بہت بڑی خوبی کہ جب حقیقت ہمارے سامنے واضح ہو کر آگئی تو ہم نے اس کے مقابلے میں تمام دنیاوی مفادات ٹھکرا دیئے اور حقیقت کو اپنا لیا۔ پھر ان جادوگروں نے اپنا روئے سخن فرعون سے پھیر کر اللہ کی طرف کر لیا اور اس کی بارگاہ میں دست دعا ہو گئے۔ جس کا ذکر اسی آیت کے اگلے حصّے میں بیان کیا جا رہا ہے:

ساحرین کی صبر واستقامت اور خاتمہ بالایمان کی دعا:

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ۔ (اعراف۔126)

اے ہمارے رب! تو ہم پر صبر کے دروازے کھول دے اور ہم کو (ثابت قدمی سے) فرمانبرداری کے ساتھ (دنیا سے) اٹھا لے۔

Our Lord! Shower us with perseverance, pour upon us patience and let us die as Muslims [in submission to You].

سبحان اللہ!

وہی جادوگر جو دن کے شروع میں ایمان سے محروم تھے مگر اسی دن کے آخری حصے میں ایمان کی دولت سے بہرہ مند ہو اور شہادت کا مرتبہ پاکر جنتی بن گئے۔ سبحان اللہ

پانچواں رکوع: وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی--- (اعراف۔127)

رکوع کے تفسیری موضوعات

فرعون کی فرعونیت کا تذکرہ(وانّا فوقهم قاهرون)، حضرت موسیٰؑ کی اپنی قوم کو صبر واستقامت کی تلقین(استعينو باللّه واصبرو)، زمین اللہ کی ہے(انّ الارض للّه)، قوم کا شکایت بھرا رویّہ، زمین کا اختیار اللہ اپنے نیک بندوں کو سونپ سکتا ہے(ويستخلفكم فى الارض)۔

فرعون کی فرعونیت کا تذکرہ

فرعون کا جوش انتقام بڑھک اٹھا

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَ هُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَ هُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ۔ (اعراف۔127)

فرعون سے اُس کی قوم کے سرداروں نے کہا: کیا تو موسیٰؑ اور اُس کی قوم کو یونہی چھوڑ دے گا کہ ملک میں فساد پھیلائیں اور وہ تیری اور تیرے معبودوں کی بندگی چھوڑ دیں؟ فرعون نے جواب دیا: میں اُن کے بیٹوں کو قتل کراؤں گا اور اُن کی عورتوں کو جیتا رہنے دوں گا ہمارے اقتدار کی گرفت ان پر مضبوط ہے۔

Pharoh's genocide and ethnical cleansing plan

The eminent of Pharaoh's people protested: "Are you going to leave Moses and his people free to spread corruption in the land and abandon you and your gods?" The Pharoh

responded: We will kill their sons and spare their women. We will completely dominate them. (7:127)

There were two periods of persecution. The first was during the reign of Rameses II which took place before Moses' birth, whereas the second period of persecution started after Moses prophethood. The common thing in both periods is the killing of the males while the females were spared. It was a calculated plan to rob the identity of a slave nation, their ethnical cleansing and to bring about their forcible assimilation.

یہ فرعون کے درباریوں کا مفسدانہ مشورہ تھا جو انہوں نے فرعون کو دیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کے خلاف فساد، بغاوت اور بدامنی پھیلانے کے جرم میں جارحانہ کارروائی کرنے کا فیصلہ ہوا۔ حالانکہ فسادی خود فرعون تھا کہ ساحرین کے ایمان قبول کرنے کی پاداش میں انہیں بے گناہ شہید کروادیا۔ یہی ہر دور کے مفسد حکمرانوں کا شیوہ رہا ہے کہ وہ دینداروں اور اسلامی ذہن رکھنے والوں کو فسادی اور ان کی پرامن دعوت و تبلیغ کو فساد سے تعبیر کرتے ہیں۔ اقتدار کی ہوس کے پجاری فرعون اور اس کے خوشامدی درباریوں نے بھی یہی کیا۔

موسیٰؑ کی اپنی قوم کو صبر واستقامت کی تلقین

قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (اعراف۔128)

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور آخری کامیابی انہی کے لیے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔

Moses reassured his people :Seek Allah's help and be patient. Indeed, the earth belongs to Allah. He grants it to whoever He chooses of His servants. The ultimate outcome belongs to those who are mindful of Allah." (7:128)

فرعون نے موسیٰؑ کے مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد بنی اسرائیل پر اس طرح غصہ اتارا کہ ان پر مزید ظلم و ستم شروع کردیا ۔ان کی نسل کشی شروع کردی۔ ان کے لڑکوں کو قتل کرکے صرف عورتوں کو باقی رکھنے کا قانون بنادیا۔ حضرت موسیٰؑ نے

پیغمبرانہ شفقت اور حکمت کے مطابق اس بلاء سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنی قوم کو دو چیزوں کی تلقین فرمائی:

اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا یعنی اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر واستقامت دکھاؤ۔

اس نسخہ میں پہلی چیز استعانت باللہ یعنی اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے اسباب خود بخود مہیا ہوتے چلے جاتے ہیں اس لئے دشمن کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی قوت انسان کے لئے اتنی کار آمد نہیں ہو سکتی جتنی اللہ تعالیٰ سے مدد واستعانت، بشرطیکہ طلب صادق ہو، محض زبان سے کچھ کلمات بولنا نہ ہو۔ دوسرا اجزاء اس نسخہ کا صبر واستقامت سے کام لینا ہے۔ صبر کے معنیٰ اصل لغت کے اعتبار سے خلاف طبع چیزوں پر ثابت قدم رہنے اور نفس کو قابو میں رکھنے کے ہیں۔ کسی مصیبت پر صبر کرنے کو بھی اسی لئے صبر کہا جاتا ہے کہ اس میں رونے پیٹنے اور واویلا کرنے کے طبعی جذبہ کو دبایا جاتا ہے۔ ہر تجربہ کار عقلمند جانتا ہے کہ دنیا میں ہر بڑے مقصد کے لئے بہت سی خلاف طبع محنت ومشقت برداشت کرنا لازمی ہے، جس شخص کو محنت ومشقت کی عادت اور خلاف طبع چیزوں کی برداشت حاصل ہو جائے وہ اکثر اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

حدیث: حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ صبر واستقامت ایسی نعمت ہے کہ اس سے زیادہ وسیع تر نعمت کسی کو نہیں ملی (ابوداود)

جب فرعون کی طرف سے دوبارہ اس ظلم کا آغاز ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو رجوع الی اللہ کا درس دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ سے استعانت حاصل کرنے اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے تسلی دی کہ اگر تم صحیح رہے اپنے نصب العین پر جمے رہے تو اللہ کی زمین کے حقیقی وارث تم ہی رہو گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے تکبر کے مقابلے میں تحمل وبرداشت اور اس کے ظلم کے مقابلے میں صبر واستقامت سے کام لیا۔ اپنی قوم کو بھی اسی کی تاکید کی اور ان کیلئے اسی کی دعا بھی کی جس کی تفصیل اس آیت کے اندر بیان کی جا رہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑی فراست اور تدبر کے ساتھ اپنی قوم کو مشکل حالات سے نکالا۔ ان کا یہ طرز عمل ایک مدبرانہ بصیرت سے بھرپور رہنما کی حیثیت سے ان کی سیرت کو واضح کرتا ہے۔ پوری قوم یا کمیونٹی پر جب مشکل حالات آجائیں تو موسیٰ علیہ السلام جیسی پر حکمت پالیسی ہر دور کے قومی رہنماؤں کیلئے مشعل راہ ہے۔

قوم کا شکایت بھرا رویہ

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭقَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۔ (اعراف۔129)

قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی (ہماری مصیبت کب دور ہوگی؟)۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک وبرباد کردے اور تمہیں اس سرزمین کا جانشین بنادے پھر دیکھے کہ تمہارا طرزِ عمل کیسا ہے۔

They complained: We have always been oppressed before and after you came to us. He replied: Perhaps your Lord will cause your enemy to perish and make you successors in the land to see how you behave. (7:129)

چھٹا رکوع: وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ۔۔۔ (اعراف۔130)

رکوع کے تفسیری موضوعات

قوم فرعون کی شامت اعمال، اعمال بد کا خمیازہ، قوم فرعون کی نفسیات، قوم فرعون کی ہٹ دھرمی اور قبول حق سے صاف انکار، قوم فرعون پر عذاب کی مختلف اقسام (فارسلنا علیھم الطوفان۔۔)، حضرت موسیٰؑ کے نو معجزات، قوم فرعون کو مشکل میں موسیٰؑ کے خدا کی یاد (قالو یٰموسیٰ ادع لنا ربّک)، قوم فرعون کی بار بار توبہ شکنی، فرعون کا انجام (فاغرقنٰھم فی الیمّ)، جھوٹی خدائی اور آمرانہ اقتدار کا خاتمہ، غلام قوم کو آزادی اور نعمتوں بھری سرزمین کی وراثت، فرعونی مظالم پر صبر کا اجر، فرعون کی مہلک صنعت کی تباہی (ودمرنا ماکان یصنع فرعون)، پرتعیش محلات ویران ہوگئے، فرعونی لائف سٹائل نشان عبرت، شوق بت پرستی جاگ اٹھا (اجعل لنا الٰھاً کما لھم آلھۃ)، اللہ تعالیٰ کی ناشکری، باطل بے فائدہ اور بے بنیاد اعمال (وباطل ماکانو یعملون)، حقیقی پرستش کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات، بنی اسرائیل کو ماضی کی یاددہانی (اذ انجیٰنکم من آل فرعون یسومونکم سوء العذاب)۔

قوم فرعون کی شامت اعمال

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۔ (اعراف۔130)

ہم نے قوم فرعون کو کئی سال تک قحط اور پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا کہ شاید کہ وہ (ہوش کے ناخن لیں اور) نصیحت حاصل کریں۔

Indeed, We afflicted Pharaoh's people with hard times and with poor harvest, so they might come back ⌜to their senses⌝. (7:130)

یعنی بارش کے فقدان اور فصلوں میں کیڑے وغیرہ لگ جانے سے پیداوار میں کمی۔ مقصد آزمائش سے یہ تھا کہ اس ظلم اور استکبار سے باز آجائیں جس میں وہ مبتلا تھے۔

اعمال کا خمیازہ

اس کے بعد آل فرعون پر بھی سختی کے مواقع آئے تا کہ ان کی آنکھیں کھلیں اور اللہ کی طرف جھکیں۔
بارش کے فقدان اور فصلوں میں کیڑے وغیرہ لگ جانے سے پیداوار میں کمی ہوئی جس کے نتیجے میں قحط سالی پیدا ہو گئی۔ درختوں پر پھل کم لگے یہاں تک کہ ایک درخت پر ایک ہی کھجور لگی، ان پر طوفان آیا، بکثرت بارشیں برسیں جس سے پھل اور اناج تباہ ہو گئے۔ وبا اور طاعون کی بیماری پھیلی۔ ٹڈیوں کا عذاب آیا، پھر مینڈکوں کا عذاب آیا، پھر خون (نکسیر) کا عذاب آیا۔ یہ سب کچھ بطور آزمائش اور بطور عذاب وسزا تھا۔ لیکن انہوں نے عبرت پکڑنے کے بجائے اس نحوست کا الزام بھی موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر ڈال دیتے۔

قوم فرعون کی نفسیات:

اچھائی کا کریڈٹ صرف اپنے لئے جبکہ غلطیوں کی ذمہ داری دوسروں پر

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (اعراف۔131)

مگر اُن کا حال یہ تھا کہ جب اچھا زمانہ آتا تو کہتے کہ ہم اِسی کے مستحق ہیں، اور جب برا زمانہ آتا تو موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے۔ یاد رکھو! ان کی بدشگونی (یعنی شامت اعمال) کے اسباب اللہ کے علم میں ہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

In times of prosperity, they said, "This is what we deserve," but in adversity, they attributed it to the misfortune of Moses and those who followed him. Surely all is destined by Allah. Yet most of them did not know. (7:131)

الْحَسَنَةُ (بھلائی) سے مراد غلے اور پھلوں کی فروانی جبکہ سَيِّئَةٌ (برائی) سے اس کے برعکس مراد ہے یعنی قحط سالی اور پیداوار میں کمی۔ فرعون کے لوگ بھلائی کا سارا کریڈٹ خود لے لیتے کہ یہ ہماری محنت کا ثمر ہے اور بدحالی کا سبب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور اس پر ایمان لانے والوں کو قرار دیتے کہ یہ تم لوگوں کی نحوست کے اثرات ہمارے ملک پر پڑ رہے ہیں۔

اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ: یادرکھو! ان کی بدشگونی (یعنی شامت اعمال) کے اسباب اللہ کے علم میں ہیں۔ لفظ طائر کے لغوی معنی پرندے کے ہیں۔ قدیم عرب پرندے کے داہنی یا بائیں جانب اترنے سے اچھی بری فالیں لیا کرتے تھے، اس لئے مطلق فال کو بھی طائر کہنے لگے۔ اس آیت میں طائر کے یہی معنی ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ ان کی فال اچھی یا بری جو کچھ بھی ہو وہ سب اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے۔ جو کچھ اس عالم میں ظاہر ہوتا ہے سب اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے عمل میں آتا ہے، نہ اس میں کسی کی نحوست کا دخل ہے نہ برکت کا، یہ سب ان کی خام خیالی اور جہالت ہے جو پرندوں کے داہنے یا بائیں اڑ جانے سے اچھی بری فالیں لے کر اپنے خیالات، مقاصد اور عمل کی بنیاد اس پر رکھتے ہیں۔

قوم فرعون کی ہٹ دھرمی اور قبول حق سے صاف انکار

وَقَالُوْا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ (اعراف۔132)

انہوں نے موسیٰؑ سے کہا کہ تو ہمیں مسحور کرنے کے لیے خواہ کوئی نشانی لے آئے، ہم تو تیری بات ماننے والے ہی نہیں ہیں۔

And they said to Moses: 'Whatever sign you might produce before us in order to enchant us, we will never believe in you." (7:132)

Pharaoh's people obstinately persisted in branding Moses' signs as wizardry although they knew well that wizardry had nothing in common with the miraculous signs granted to Moses. Even a fool would not be ready to believe that the country-wide famine and the consistent decrease in agricultural output could have been caused by magic. It is for this reason that the Qur'an says: But when Our signs, which should have opened their eyes, came to them they said: This is clear wizardry! And they rejected those signs

out of iniquity and arrogance even though they were inwardly convinced of it. (27:13-14)

قوم فرعون کی ہٹ دھرمی، تکبر، سرکشی اور ضد کی جھلک دکھائی جارہی ہے کہ حضرت موسیٰ(علیہ السلام) سے صاف کہتے ہیں کہ آپ خواہ کتنی ہی دلیلیں پیش کریں کیسے ہی معجزے بتائیں ہم ایمان لانے والے نہیں۔ہم جانتے ہیں کہ یہ سب آپ کے جادو کے کرشمے ہیں۔یہ قوم فرعون کی انتہائی ہٹ دھرمی تھی۔شاید کوئی بیوقوف آدمی بھی یہ بات نہیں مانے گا کہ ایک پورے ملک میں قحط کا پڑجانا اور زمین کی پیداوار میں مسلسل کمی واقع ہونا کسی جادو کا کرشمہ ہو سکتا ہے۔اسی بناء پر قرآن مجید کہتا ہے کہ:فَلَمَّا جَآءَ تْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَا لُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ وَّجَحَدُوا بِهَا واستَيْقَنَتهَآ اَنفُسُهُمْ ظُلْمًاوَّ عُلُوًّا۔ (النمل۔آیات13۔14)یعنی جب ہماری نشانیاں واضح طور پر ان کے سامنے آئیں تو انہوں نے کہا کہ یہ تو واضح جادو ہے،حالانکہ ان کے دل اندر سے قائل ہو چکے تھے،مگر انہوں نے محض ظلم اور سرکشی کی وجہ سے اس کا انکار کیا۔

قوم فرعون پر عـــذاب کی مختلف اقسام

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ۔ (اعراف۔133)

آخر کار ہم نے ان پر طوفان بھیجا،ٹڈی دل چھوڑے،سرسریاں پھیلائیں،مینڈک مسلط کیے،اور خون برسایا۔یہ سب نشانیاں(بطور عذاب)الگ الگ کرکے دکھائیں،مگر انہوں نے تکبر و سرکشی اختیار کیے رکھی۔وہ بڑے ہی مجرم لوگ تھے۔

So, We plagued them with floods, locusts, lice, frogs, and blood—all as clear signs, but they persisted in arrogance and were a wicked people. (7:133)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو نو 9 معجزات عطا فرمائے تھے:وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰي تِسْعَ اٰيٰتٍ۔ان معجزات میں سے سب سے پہلے دو معجزے،عصا اور ید بیضاء کا ظہور فرعون کے دربار میں ہوا اور انہی دو معجزوں کے ذریعہ جادوگروں کے مقابلہ میں موسیٰؑ نے فتح حاصل کی،اس کے بعد ایک معجزہ وہ تھا جس کا ذکر اس سے پہلی آیات میں آچکا ہے کہ قوم فرعون پر ان کی ضد اور کجروی کے سبب قحط مسلط کردیا گیا۔باقی معجزات کا بیان مذکورہ آیتوں میں ہے:فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ۔

قوم فرعون پر مختلف وقفوں سے پانچ عذاب آئے لیکن ان کے دلوں میں جو فرعونیت اور دماغوں میں جو تکبر تھا وہ حق کی راہ میں ان کے لئے زنجیر پابنا رہا اتنی اتنی واضح نشانیاں دیکھنے کے باوجود وہ قوم ایمان کی دولت سے محروم ہی رہے۔

طوفان سے سیلاب یا کثرت بارش، جس میں ہر چیز غرق ہوگئی، یا کثرت اموات، جس سے ہر گھر میں ماتم برپا ہوگیا، ٹڈی دل کا حملہ فصلوں کی ویرانی کے لئے مشہور ہے یہ ٹڈیاں ان کے غلوں اور پھلوں کی فصلوں کو کھا کر چٹ کر جاتیں۔ اس کے بعد ایک چھٹے عذاب کا ذکر ایک آیت میں رجز کے نام سے آیا ہے، یہ لفظ اکثر طاعون اور دوسری وبائی امراض کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تفسیری روایات میں ہے کہ ان لوگوں پر طاعون کی وباء مسلط کر دی گئی، جس میں ان کے ستر ہزار آدمی ہلاک ہوگئے۔ یہ سارے عذاب ان کیلئے دردسر اور وبال جان بنے رہے مگر پھر بھی یہ لوگ اپنی گمراہی پر قائم رہے۔ اسی کو قرآن کریم نے فرمایا: فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ یعنی ان لوگوں نے تکبر سے کام لیا اور یہ لوگ بڑے عادی مجرم تھے۔

اس آیت سے یہ سبق دینا بھی مقصود ہے کہ بعض دفعہ اللہ کی چھوٹی سی مخلوق کے سامنے انسان بے بس ہو جاتا ہے۔ مچھر (ڈینگی)، کانگووائرس، کروناوائرس اور دیگر بے شمار جان لیوا بیکٹیریا اور جراثیم دور جدید میں اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے کافی ہیں کہ انسان کی ہلاکت کیلئے ایک چھوٹا سا جرثومہ بھی کافی ہے۔ اللہ کا عذاب بڑی بڑی بلاؤں اور آفات کی شکل میں ہی نہیں آتا بلکہ چھوٹی اور بظاہر معمولی چیزوں کی شکل میں بھی آسکتا ہے۔ انسان بوجود اپنی ساری ٹیکنالوجی کے اس کو روکنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔

قوم فرعون کو مشکل میں موسیٰؑ کے خدا کی یاد

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔ (اعراف،133)

اور قوم فرعون پر جب کوئی مشکل وقت آتا تو کہتے: اے موسیٰ! تجھے اپنے رب کی طرف سے جو منصب حاصل ہے اس کی بناپر ہمارے حق میں دعا کیجئے، اگر تو نے ہم سے یہ مصیبت دور کر دی تو بے شک ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو (بھی آزاد کر کے) تیرے ساتھ بھیج دیں گے۔

Whenever a plague descended on them, they pleaded: O Moses! pray for us to your Lord on the strength of the prophethood He has bestowed upon you. Surely, if you remove this plague from us, we will truly believe in you, and

will let the Children of Israel go with you (i.e. will grant freedom to your nation). (7:134)

قوم فرعون کی بار بار توبہ شکنی

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ۔ (اعراف۔135)

اس کے بعد جب ہم نے ایک مدت کے لئے ان سے عذاب کو برطرف کر دیا تو پھر اپنے عہد کو توڑنے والوں میں شامل ہو گئے۔

But as soon as We removed the torment from them, they broke their promise —until they met their inevitable fate (i.e. their drowning in the sea). (7:135)

بالآخر ان پر فیصلہ کن عذاب آیا اور فرعون بمع لشکر غرق ہوا:

فرعون کا انجام

جھوٹی خدائی اور اقتدار کا خاتمہ

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔ (اعراف۔136)

تب ہم نے اُن سے انتقام لیا(نافرمانیوں اور بدعہدیوں کی سزا دی) اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور اُن سے بے پرواہ ہو گئے تھے۔

So, We inflicted punishment upon them, drowning them in the sea for denying Our signs and being heedless of them. (7:136)

جب یہ فرعون اور اس کی قوم اپنی سرکشی اور خودپسندی میں اتنے بڑھ گئے کہ باری تعالیٰ کی بار بار کی نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی ایمان لانے سے برابر انکار کرتے رہے تو قدرت نے اس سرکش قوم کو سزا دینے اور نشان عبرت بنانے کا فیصلہ کیا اور پھر بالآخر دست قدرت نے ان سب کو دریابرد کر دیا۔ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں ہجرت کر کے چلے تو دریا ان کے لئے خشک ہو گیا پھر فرعون اور اس کے ساتھی اس میں اترے تو دریا میں پھر روانی آ گئی اور پانی کا ریلہ آیا اور وہ سب بالآخر دریائے قلزم میں غرق ہو گئے: فَأَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل جیسی کمزور اور غلامی میں جکڑی قوم کو زمین کا وارث بنادیا۔ فرعون اور اس کی قوم کو اپنی فرعونیت کی سزا مل گئی۔ ان سے سے ہرے بھرے باغات پانی کے چشمے، کھیتیاں، عمدہ مقامات چھن گئے۔ بنی اسرائیل کو اپنے صبر کا پھل ملا اور ان کا دشمن سمندر برد ہوا۔

غلام قوم کو آزادی اور نعمتوں بھری سرزمین کی وراثت

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ۔ (اعراف۔137)

اور ہم نے ایک کمزور (اور استحصال زدہ) قوم کو اُس برکتوں والی سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنادیا۔ اس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدہ خیر پورا ہوا کیونکہ اُنہوں نے (فرعونی مظالم پر) صبر سے کام لیا تھا۔ اور جو کچھ فرعون اور اس کی قوم والے بنا رہے تھے ہم نے سب کو برباد کر دیا اور ان کے عالیشان باغات کو بھی ویران کر دیا۔

And ˹so˺ We made the oppressed people successors of the eastern and western lands, which We had showered with blessings. ˹In this way˺ the noble Word of your Lord was fulfilled for the Children of Israel for what they had endured. And We destroyed what Pharaoh and his people constructed and what they established. (7:137)

یعنی بنی اسرائیل کو جن کو فرعون نے غلام بنا رکھا تھا اور ان پر ظلم روا رکھا تھا، اس بنا پر وہ فی الواقع مصر میں کمزور سمجھے جاتے تھے کیونکہ مغلوب اور غلام تھے۔ لیکن جب اللہ نے چاہا تو اسی مغلوب اور غلام قوم کو زمین کا وارث بنا دیا۔

سرزمین سے مراد قدیم شام کا علاقہ فلسطین ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے عمالقہ کے بعد بنی اسرائیل کو غلبہ عطا فرمایا تھا۔ شام میں بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد اس وقت گئے جب یوشع بن نون نے عمالقہ کو شکست دے کر بنی اسرائیل کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔ اور زمین کے ان حصوں میں برکتیں رکھیں یعنی شام کے علاقے میں جو انبیاء کرامؑ کا مسکن و مدفن رہا اور ظاہری شادابی و خوش حالی میں بھی ممتاز ہے۔ یعنی ظاہری و باطنی دونوں قسم کی برکتوں سے یہ زمین مالامال رہی ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا: اس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدہ خیر پورا ہوا کیونکہ اُنہوں نے (فرعونی مظالم پر) صبر سے کام لیا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اس انعام واحسان کی وجہ بیان فرمادی کہ بِمَا صَبَرُوْا یعنی یہ انعام ان پر اس وجہ سے کیا گیا کیونکہ کہ ان لوگوں نے اللہ کے راستے میں تکلیفیں برداشت کیں اور ثابت قدم رہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جب انسان کا مقابلہ کسی ایسے شخص یا جماعت سے ہو جس کا دفاع کرنا اس کی قدرت میں نہ ہو تو ایسے وقت کامیابی اور فلاح کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ مقابلہ نہ کیا جائے بلکہ صبر و تحمل سے کام لے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی کی ایذاء کا مقابلہ اس کی ایذاء سے کرتا ہے یعنی اپنا انتقام خود لینے کی فکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے حوالے کردیتے ہیں کامیاب ہو یا ناکام، اور جب کوئی شخص لوگوں کی ایذاء کا مقابلہ صبر اور نصرت الٰہی کے انتظار سے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کے لئے راستے کھول دیتے ہیں۔

مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ: فرعون کی صنعت کی تباہی سے مراد اس کے اسلحہ سازی کے کارخانے ہیں جو نیست ونابود کردیئے گئے جن کے ذریعے وہ ایک کمزور قوم پر ظلم و ستم روا رکھتا تھا۔ اسی طرح اس کے باغات اور پر تعیش مقامات بھی ویران ہو کر ہوگئے اور نشان عبرت بن گئے جو عیش و عشرت اور فرعونی لائف سٹائل کی عکاسی کرتے تھے۔

شوق بت پرستی پھر جاگ اٹھا

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۔ (اعراف۔138)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر (یعنی بحر قلزم) کے اس پار اتارا تو ان کا گزر ایک ایسی قوم سے ہوا جو اپنے (خودساختہ) معبودوں کی پرستش میں مگن بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا: اے موسیٰؑ، ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنادیں جیسے اِن لوگوں کے معبود ہیں۔ موسیٰؑ نے جواب دیا کہ تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔

We brought the Children of Israel (with safety) across the sea. They came upon a people devoted entirely to some idols they had. They demanded: O Moses! Make for us a god like their gods. He replied: Indeed, you are a people without knowledge! (7:138)

This shows that even though the people of Moses had been taught for forty Years, they had still been unable to purge their minds of those influences which had warped their outlook and mentality during their period of bondage under Pharaoh. The seeds of unislamic practices were still there.

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ: اور جب ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر (یعنی بحر قلزم) کے اس پار اتارا۔ بنی اسرائیل نے جس مقام سے بحر احمر کو عبور کیا وہ غالباً موجودہ سویز اور اسماعیلیہ کے درمیان کوئی مقام تھا۔ یہاں سے گزر کر یہ لوگ جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی علاقے کی طرف ساحل کے کنارے کنارے روانہ ہوئے۔ اس زمانے میں جزیرہ نمائے سینا کا مغربی اور شمالی حصّہ قدیم مصر کی سلطنت میں شامل تھا۔ اس سفر کے دوران بنی اسرائیل کا گزر ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جو اپنے (خود ساختہ) معبودوں کی پرستش میں مگن بیٹھے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ بت گائے کی شکل کے تھے جو پتھر کی بنی ہوئی تھیں۔ اس منظر کو دیکھ کر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے عجیب مطالبہ کر دیا جس کا ذکر اسی آیت کے اگلے حصّے میں ہے۔

قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ: بنی اسرائیلؑ نے موسیٰؑ کو کہا: اے موسیٰؑ، ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دیں جیسے اِن لوگوں کے معبود ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ 40 سال تک حضرت موسیٰؑ کی اور 28 سال حضرت یوشع کی تربیت و رہنمائی میں زندگی بسر کر لینے کے بعد بھی یہ قوم اپنے اندر سے ان اثرات کو نہ نکال سکی جو فراعنہ مصر کی بندگی کے دور میں اس کی رگ رگ کے اندر اتر گئے تھے۔ پھر بھلا کیونکر ممکن تھا کہ مصر سے نکلنے کے بعد فوراً ہی جو بت کدہ سامنے آگیا تھا اس کو دیکھ کر ان بگڑے ہوئے مسلمانوں میں سے بہتوں کی پیشانیاں اس آستانے پر سجدہ کرنے کے لیے بیتاب نہ ہو جائیں جس پر وہ اپنے سابق آقاؤں کو ماتھا رگڑتے ہوئے دیکھ چکے تھے۔

مزید یہ کہ اس سے بڑی ناشکری اور جہالت کیا ہو گی کہ جس اللہ نے انہیں فرعون جیسے دشمن سے نہ صرف نجات دی، بلکہ ان کی آنکھوں کے سامنے اسے اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا اور معجزانہ طریقہ سے دریا عبور کروا دیا۔ وہ دریا پار کرتے ہی اس اللہ کو بھول کر پتھر کے خود تراشیدہ معبود تلاش کرنے لگ گئے۔

حدیث: حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حنین کے سفر پر تھے تو راستے میں انہیں بیری کا وہ درخت ملا جہاں مشرکین مجاور بن کر بیٹھا کرتے تھے اور اپنے ہتھیار وہاں لٹکایا کرتے تھے اس کا نام ذاتِ انواط تھا۔ صحابہ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ ایک ذات انواط ہمارے لئے بھی مقرر کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم نے قوم موسیٰ جیسی بات کہہ دی کہ ہمارے لئے بھی معبود

مقرر کر دیجئے جیسا ان کا معبود ہے۔ جس کے جواب میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے فرمایا تھا کہ تم نادان لوگ ہو یہ لوگ جس کام میں مصروف ہیں وہ ہلاکت خیز ہے اور ان کا یہ عمل باطل ہے۔(ابن جریر)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ درخواست کرنے والے حضرت ابو واقد لیثی تھے۔ جواب دینے سے پہلے یہ سوال سن کر حضور اکرم ﷺ کا اللہ اکبر کہنا بھی مروی ہے اور یہ بھی کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم بھی اپنی اگلی امتوں کی روش پر چلنے لگے ہو۔

باطل، بے فائدہ اور بے بنیاد اعمال

اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (اعراف۔139)

یہ لوگ جس طریقہ کی پیروی کر رہے ہیں وہ تو فنا ہونے والا ہے اور جو عمل وہ کر رہے ہیں وہ بے بنیاد ہے۔

What they follow will be certainly annihilated, and whatever they were doing is untrue. (7:139)

یعنی غیر اللہ کے پجاری جن کے حال نے تمہیں بھی دھوکے میں ڈال دیا ہے، ان کا مقدر اخروی بربادی اور ان کے یہ مشرکانہ افعال باطل اور خسارے کا باعث ہیں۔

حقیقی پرستش کے لائق صرف اللہ کی ذات

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ (اعراف۔140)

پھر موسیٰؑ نے کہا: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود تمہارے لیے تلاش کروں؟ حالانکہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں دنیا بھر کی قوموں پر فضیلت بخشی ہے۔

He added: Shall I seek for you a god other than Allah, while He has honoured you above the others? (7:140)

کیا جس اللہ نے تم پر اتنے احسانات کئے، تمہیں جہانوں پر فضیلت عطا کی، اسے چھوڑ کر میں تمہارے لئے پتھر اور لکڑی کے تراشے ہوئے بت تلاش کروں، یعنی یہ ناشکری اور احسان ناشناسی میں کس طرح کر سکتا ہوں؟ گویا خود ساختہ معبودوں کی پرستش اصل میں اللہ کی ناشکری اور احسان ناشناسی ہے۔

اگلی آیات میں بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے مزید احسانات کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

ماضی کی یاددہانی

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰ لِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ۔ (اعراف۔141)

وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی، جن کا حال یہ تھا کہ تمہیں سخت عذاب میں مبتلا رکھتے تھے، تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیتے اور تمہاری عورتوں کو (لونڈیاں بنا کر) زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔

And ⌜remember⌝ when We rescued you from the people of Pharaoh, who afflicted you with dreadful torment—massacring your sons and keeping your women alive (for slavery). That was a severe test from your Lord. (7:141)

اس کی تفسیر سورۃ بقرہ میں گذر چکی ہے۔

ساتواں رکوع: وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً۔۔۔ (اعراف۔142)

رکوع کے تفسیری موضوعات

حضرت موسیٰؑ کی کوہ طور پر چلہ کشی، تورات کی تختیاں عطا کی گئیں، چالیس روزہ عبادت، انسان کو اپنے سب کاموں میں تدریج اور آہستگی کی تعلیم، سہولت و تدریج، حضرت موسیٰؑ کی اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہمکلامی، موسیٰ کلیم اللہ کا خطاب، تجلیات الٰہی کا مشاہدہ (فلمّا تجلّی ربّہ)، حضرت موسیٰؑ کی خاص فضیلتیں (انی اصطفیتک علی النّاس برسالاتی وبکلامی)، انبیاءؑ کے درجات، تورات کی تختیاں، آسمانی ہدایات (موعظۃ و تفصیلاً لکل شیء)، احکام الٰہی سے اعراض و غفلت، آسمانی ہدایت سے اعراض کا نتیجہ: بے وقعت اعمال (خبطت اعمالھم)، خبط عمل سے کیا مراد ہے؟ اخلاص نیت کے بغیر کیا گیا عمل بے کار ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور پر چلّہ کشی

تورات کی تختیاں عطا کی گئیں

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ۔ (اعراف۔142)

ہم نے موسیٰؑ کو تیس شب وروز کے لیے (کوہ سینا پر) طلب کیا اور بعد میں دس دن کا اور اضافہ کر دیا، اِس طرح اُس کے رب کی مقرر کردہ مدت پورے چالیس دن ہو گئی۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے بھائی ہارون (علیہ السلام) سے کہا کہ میرے بعد ان کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بد نظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا۔

We appointed for Moses thirty nights then added another ten—completing his Lord's term of forty nights. Moses commanded his brother Aaron: Take my place among my people, do what is right, and do not follow the path of those who create mischief. (7:142)

Prophet Moses was summoned by God to Mount Sinai in order that he might receive the Divine Guidance for his community. He completed forty days devoted himself to worshipping, fasting, meditation and reflection and thus develop the ability to receive the revelation which was to put a very heavy burden upon him. When he completed his appointed term, he was given the Tablets of Torah containing complete guidance.

Prophet Aaron was senior to Prophet Moses in age by three years, he was placed under the direction of the Prophet Moses and was required to assist him in connection with his mission.

فرعون اور اس کے لشکر کے سمندر برد ہونے کے بعد ضرورت لاحق ہوئی کہ بنی اسرائیل کی ہدایت ورہنمائی کے لئے کوئی کتاب نازل کی جائے۔ مصر سے نکلنے کے بعد جب بنی اسرئیل کی غلامانہ پابندیاں ختم ہو گئیں اور انہیں ایک خود مختار اور آزاد قوم کی حیثیت حاصل ہو گئی تو حکم خداوندی کے تحت حضرت موسیٰؑ کوہ سینا پر طلب کیے گئے تا کہ انہیں بنی اسرائیل کے لیے شریعت عطا فرمائی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کے لئے کوہ طور پر بلایا، جس میں دس راتوں کا اضافہ کرکے اسے چالیس کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰؑ نے کوہ سینا پر حکم خداوندی کے تحت چلہ کشی کی۔ کوہ سیناء ایک

عالیشان پہاڑ ہے جس کا بالائی حصہ اکثر بادلوں سے ڈھکا رہتا ہے اور جس کی بلندی 7395 فیٹ ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر آج تک وہ کھوہ زیارت گاہ عام بنی ہوئی ہے جہاں حضرت موسیٰؑ نے چلّہ کیا تھا۔ اس کے قریب مسلمانوں کی ایک مسجد اور عیسائیوں کا ایک گرجا بھی موجود ہے۔ اسی پہاڑ کے دامن میں قیصر روم کے زمانہ کی ایک خانقاہ آج تک موجود ہے۔ وادی کے دوسری طرف ایک اور پہاڑ جبل ہارون کے نام سے بھی ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ حضرت ہارونؑ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی سے ناراض ہو کر جا بیٹھے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کا چلہ ذوالقعدہ کا پورا مہینہ اور ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں پر مشتمل تھے۔ اس لحاظ سے حضرت موسیٰؑ کی کوہ طور پر چالیس دن کی مدت دس ذوالحجہ کو یعنی عید الاضحیٰ والے دن پوری ہوئی۔ اس چالیس روزہ مدت کی تکمیل پر انہیں تورات کی تختیاں عطا کی گئیں۔ قرآن مجید کی اختتامی آیت بھی یوم عرفہ ذوالحجہ میں نازل ہوئی تھی: اَلْيَوْمَ اَ كْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (مائدہ۔3)

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے زمانہ سے جو دین حق اور نعمت الٰہیہ کا نزول شروع ہوا تھا اور ہر زمانہ اور ہر خطہ کے مناسب حال اس نعمت کا ایک حصہ اولاد آدم کو عطا ہوتا رہا اس آسمانی ہدایت کی تکمیل ہو چکی ہے۔ وہ دین یعنی نعمت اسلام مکمل صورت میں خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی امت کو عطا کر دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عظیم الشان نعمت کی تکمیل کی خوشی میں مسلمان عید مناتے ہیں یعنی عید الاضحیٰ۔

چالیس روزہ عبادت

اس آیت کے اشارہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چالیس دنوں کو دینی حالات کی اصلاح میں کوئی خاص دخل ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس روز اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری فرما دیتے ہیں۔ (روح البیان)

انسان کو اپنے سب کاموں میں تدریج اور آہستگی کی تعلیم

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہم کاموں کے لئے ایک خاص میعاد مقرر کرنا، پلاننگ کرنا اور سہولت و تدریج سے انجام دینا سنّت الٰہیہ ہے، عجلت اور جلد بازی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ سب سے پہلے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کام یعنی تخلیق کائنات کے لئے ایک میعاد چھ روز کی متعین فرما کر یہ اصول بتلا دیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو آسمان زمین اور سارے جہاں کو پیدا کرنے کے لئے ایک منٹ کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ وہ توکن فیکون کی مالک ہستی ہے۔ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنے کے لئے فرما دیں کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے مگر اس خاص طرز عمل میں مخلوق کو یہ ہدایت دینا تھی کہ اپنے کاموں کو غور و فکر اور تدریج کے ساتھ

انجام دیا کریں، اسی طرح حضرت موسیٰؑ کو تورات عطا فرمائی تو اس کے لئے بھی ایک میعاد مقرر فرمائی اس میں اسی اصول کی تعلیم ہے۔(بحوالہ قرطبی)

وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ۔۔:حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر چلہ کشی کیلئے جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو جو ان کے بھائی بھی تھے اور نبی بھی، اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا تاکہ وہ بنی اسرائیل کی ہدایت واصلاح کا کام کرتے رہیں اور انہیں ہر قسم کے فساد اور بے دینی سے بچائیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام خود نبی تھے اور اصلاح کا کام ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں محض بطور تذکیر یہ نصیحتیں کیں تھیں جن کا ذکر اس آیت کے اندر موجود ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے اس ارشاد کی تعمیل میں کوہ سینا جاتے وقت بنی اسرائیل کو اس مقام پر چھوڑا تھا جو موجودہ نقشہ میں نبی صالح اور کوہ سینا کے درمیان وادی الشیخ کے نام سے موسوم ہے۔اس وادی کا وہ حصہ جہاں بنی اسرائیل نے پڑاؤ کیا تھا آج کل میدان الراحہ کہلاتا ہے۔وادی کے ایک سرے پر وہ پہاڑی واقع ہے جہاں مقامی روایت کے بموجب حضرت صالحؑ ثمود کے علاقے سے ہجرت کر کے تشریف لے آئے تھے۔آج وہاں ان کی یادگار میں ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔تیسری طرف سینا کا بلند پہاڑ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہمکلامی

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (اعراف۔143)

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا تو عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے اپنا دیدار عطا کیجئے؟ فرمایا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ہاں ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھ! اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو مجھے دیکھ سکے گا۔پھر جب اس کے رب نے پہاڑ کی طرف تجلی کی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کی کہ تیری ذات پاک ہے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔

When Moses came at the appointed time and his Lord spoke to him, he asked, “My Lord! Reveal Yourself to me so I may see You.” Allah answered, “You cannot see Me! But look at the mountain. If it remains firm in its place, only then will you see Me.” When his Lord appeared to the mountain, He levelled it to dust and Moses collapsed unconscious. When he recovered, he cried, “Glory be to You! I turn to You in repentance and I am the first of the believers.” (7:143)

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور سیناء پر گئے اور وہاں اللہ نے ان سے براہ راست گفتگو کی۔ اللہ تعالیٰ سے براہ راست گفتگو کے اعزاز کی وجہ سے انہیں موسیٰ کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ ایک خاص ٹائٹل ہے جو ان کو نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اللہ کو دیکھنے یعنی دیدار الٰہی کا شوق پیدا ہوا جس کا اظہار انہوں نے رَبِّ اَرِنِی کہہ کر کیا۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لَنْ تَرٰنِی کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔

حضرت موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ کا کلام

اتنی بات تو قرآن کے واضح الفاظ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے بلاواسطہ کلام فرمایا، پھر اس کلام میں بھی ایک تو وہ ہے جو اول عطاء نبوت کے وقت ہوا تھا، دوسرا کلام یہ ہے جو عطاء تورات کے وقت ہوا اور جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ آیت کے الفاظ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس دوسرے کلام کو بہ نسبت پہلے کے کچھ مزید خصوصیت حاصل تھی، لیکن حقیقت اس کلام کی کیا اور کس طرح تھی اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا، اس میں جتنے احتمالات عقلیہ ایسے ہوں جو شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہ ہوں سب کی گنجائش ضرور ہے مگر ان احتمالات میں کسی ایک کو متعین کرنا بلا دلیل درست نہیں، اور سلف صالحین صحابہ و تابعین ہی کا مسلک اس معاملہ میں اسلم ہے کہ اس معاملہ کو حوالہ خدا کیا جائے، احتمالات نکالنے کی فکر میں نہ پڑیں (بیان القرآن)

آیت کے ان الفاظ سے فرقہ معتزلہ نے استدلال کیا کہ لَنْ چونکہ ہمیشہ کی نفی کے لئے آتا ہے، اس لئے اللہ کا دیدار نہ تو دنیا میں ممکن ہے اور نہ ہی آخرت میں۔ لیکن یہ مسلک قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں اہل ایمان کیلئے دیدار الٰہی کا ذکر ہے: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ اُس روز کچھ چہرے تروتازہ اور بارونق ہونگے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہونگے۔ متواتر صحیح اور مستند روایات سے ثابت ہے کہ قیامت والے دن اہل ایمان اللہ کا دیدار کریں گے اور جنت میں بھی دیدار الٰہی سے مشرف ہونگے۔ تمام اہل سنّت کا یہی عقیدہ ہے۔ آیت میں جس دیدار کی نفی کا ذکر کیا گیا اس کا تعلق صرف

دنیا سے ہے یعنی دنیا میں کوئی انسانی آنکھ اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے۔ لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ ان آنکھوں میں ایسی صلاحیت اور اتنی قوت پیدا فرمادے گا کہ وہ جلوہ الٰہی کو برداشت کر سکیں۔

چالیس روزہ عبادت

تجلّیاتِ الٰہی کا مشاہدہ

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا: پھر جب اس کے رب نے پہاڑ کی طرف تجلّی کی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ تجلّی کے معنی عربی لغت میں ظاہر اور منکشف ہونے کے ہیں، اور صوفیاء کرام کے نزدیک تجلّی کے معنی کسی چیز کو بالواسطہ دیکھنے کے ہیں، جسے کوئی چیز بواسطہ آئینہ کے دیکھی جائے، اسی لئے تجلّی کو رؤیت نہیں کہہ سکتے، خود اسی آیت میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رؤیت کی تو نفی فرمائی اور تجلّی کا اثبات۔ امام احمدؒ، ترمذیؒ نے بروایت انسؓ نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرما کر ہاتھ کی چھوٹی انگلی (خنصر) کے سرے پر انگوٹھا رکھ کر اشارہ فرمایا کہ اللہ جل شانہ کے نور کا صرف اتنا سا حصہ ظاہر کیا گیا تھا جس سے پہاڑ کے ٹکڑے اڑ گئے۔ یہ ضروری نہیں کہ سارے پہاڑ کے ٹکڑے ہو گئے ہوں بلکہ جس حصہ پر حق تعالیٰ نے یہ تجلّی فرمائی وہ حصہ ہی اس سے متاثر ہوا ہو۔

وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا: اور موسیٰ علیہ السلام (بھی اپنے رب کی تجلّی کی تاب نہ لاتے ہوئے) بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حدیث: حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ قیامت والے دن سب لوگ بے ہوش ہونگے، (یہ بے ہوشی امام ابن کثیرؒ کے بقول میدان محشر میں اس وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ فیصلے کرنے کے لئے نزول اجلال فرمائیں گے) جب لوگ ہوش میں آئیں گے تو میں (یعنی نبی اکرم ﷺ) ہوش میں آنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہوں گا، میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا انہیں کوہ طور کی بے ہوشی کے بدلے میں میدان محشر کی بے ہوشی سے مستثنٰی رکھا گیا۔ (صحیح بخاری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خاص فضیلت

نبوت سے سرفرازی اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَ بِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ۔ (اعراف۔144)

(اللہ نے) فرمایا: موسیٰ میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے۔ تو جو میں نے تم کو عطا کیا ہے اسے تھام لو اور (میرا) شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔

[Allah] said, "O Moses, I have chosen you over the people with My messages and My words [to you]. So, take what I have given you and be among the grateful. (7:144)

Allah reminds Moses that even though his request to see Allah was not fulfilled at this stage, he has already been favoured by Allah over the people of his time through prophethood and direct communication with the Almighty.

حضرت موسیٰؑ کو دوہری نعمت عطا ہوئی یعنی رسالت اور اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی۔

انبیاء کے درجات

ہمارے نبی حضور ﷺ تمام اول و آخر نبیوں کے سردار ہیں۔ آپؐ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ خاتم النبین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پوری انسانیت کی طرف قیامت تک کیلئے نبی اور رسول بنا کر بھیجا۔ تمام انبیاء اور رسولوں سے آپ ﷺ کے تابعدار تعداد میں زیادہ ہوں گے۔

فضیلت کے اعتبار سے آپ ﷺ تمام انبیاءؑ سے پہلے نمبر پر ہیں۔

فضیلت کے اعتبار سے آپؐ کے بعد سب سے افضل حضرت ابراہیمؑ ہیں جو خلیل اللہ تھے۔

پھر ان کے بعد فضیلت کے اعتبار سے حضرت موسیٰؑ ہیں جو کلیم اللہ تھے۔

تورات کی تختیاں

آسمانی ہدایات

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (اعراف۔145)

اس کے بعد ہم نے موسیٰؑ کو ہر شعبہ زندگی کے متعلق نصیحت اور ہر پہلو کے متعلق واضح ہدایت تختیوں پر لکھ کر دے دی اور اس سے کہا: اِن ہدایات کو مضبوط ہاتھوں سے سنبھال اور اپنی قوم کو حکم دے کہ ان کے بہتر مفہوم کی پیروی کریں۔ میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کا مقام دکھاؤں گا۔

And We ordained for Moses in the Tablets all manner of admonition, and instruction concerning all things, and said to him: Hold to these, with all your strength. and bid your people to follow them in accord with their best understanding. I shall soon show you the habitation of the wicked. (7:145)

The Tablets of Moses were made of stone. The act of writing on these tablets is attributed to God. It is not possible to ascertain whether the actual act of writing on tablets was performed by God directly, or by God in the sense of His assignment of the task to some angel or to Moses.

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ: اور ہم نے موسیٰؑ کو تورات تختیوں پر لکھ کر دی۔ یہ تختیاں پتھر کی سلیں تھیں، اور ان تختیوں پر لکھنے کا فعل اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی تفصیل موجود نہیں کہ آیا ان تختیوں پر کتابت کا کام اللہ تعالیٰ نے براہ راست اپنی قدرت سے کیا تھا، یا کسی فرشتے سے یہ خدمت لی تھی، یا خود حضرت موسیٰؑ کا ہاتھ استعمال فرمایا تھا۔

وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا: اور اپنی قوم کو حکم دے کہ اس (کتاب) کے بہتر مفہوم کی پیروی کریں۔ یعنی احکام الٰہی کا صاف اور سیدھا مفہوم اخذ کریں۔ یہ قید اس لیے لگائی گئی کہ جو لوگ کتاب اللہ کے سیدھے سادھے الفاظ میں سے قانونی اونچ نیچ اور حیلے اور فتنوں کی گنجائشیں نکالتے ہیں، کہیں ان کی موشگافیوں کو کتاب اللہ کی پیروی نہ سمجھ لیا جائے۔

سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ: یعنی بعد میں تم لوگ ان قوموں کے آثار قدیمہ پر سے گزرو گے جو اب قصّہ ماضی بن چکی ہیں ۔ ان قوموں نے اللہ کی بندگی و اطاعت سے منہ موڑا اور غلط راہ پر اصرار کیا۔ ان کے کھنڈرات کو دیکھ کر تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ ایسی روش اختیار کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔

احکام الٰہی سے اعراض و غفلت

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَّاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔ (اعراف۔146)

جو لوگ ناحق اللہ کی زمین پر سرکشی کرتے ہیں میں اپنی نشانیوں سے ان کی نگاہیں پھیر دوں گا۔ وہ کوئی نشانی بھی دیکھ لیں کبھی اس پر ایمان نہ لائیں گے، اگر سیدھا راستہ اُن کے سامنے آئے تو اسے اختیار نہ کریں گے اور اگر ٹیڑھا راستہ نظر آئے تو اس پر چل پڑیں گے، اس لیے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پروائی کرتے رہے۔

Those who behave arrogantly on the earth without any justification, I will turn them away from My signs: And even if they were to see every sign, they still would not believe in them. If they see the Right Path, they will not take it. But if they see a crooked path, they will follow it. This is because they denied Our signs and were heedless of them. (7:146)

It is God's law that evildoers do not and cannot take any lesson from the otherwise instructive events which they observe. The arrogance mentioned here refers to man's delusion which prompts him to disregard God's command and to adopt an attitude which suggests that he neither considers himself God's servant, nor God his Lord. Such egotism has no basis, in fact; it is sheer vanity. For as long as man live on God's earth, what can justify his living as a servant of anyone other than the Lord of the universe? It is for this reason that the Qur'an declares this arrogance to be 'without any right'.

الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔۔: جو لوگ ناحق اللہ کی زمین پر سرکشی کرتے ہیں۔ سرکشی اور تکبر کا نتیجہ ہمیشہ محرومی ہوتا ہے ایسے لوگوں کو حق سمجھنے، اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ قانون فطرت یہی ہے کہ ایسے لوگ کسی عبرت ناک چیز سے عبرت اور کسی سبق آموز شے سے سبق حاصل نہیں کرسکتے۔

تکبر کی تعریف: تکبّر کرنا قرآن مجید اس معنی میں استعمال کرتا ہے کہ بندہ اپنے آپ کو بندگی کے مقام سے بالاتر سمجھنے لگے اور اللہ کے احکام کی پرواہ نہ کرے، اور ایسا طرز عمل اختیار کرے گویا کہ وہ رب کو رب ہی نہ سمجھے۔

حدیث: تکبر کی تعریف ایک حدیث مبارکہ میں اس طرح بیان کی گئی ہے: الکبر بطر الحق و غمط الناس۔ اللہ کی آیات واحکام کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور لوگوں کو حقیر گردانا۔ یہ تکبر انسان کو زیبا نہیں دیتا، کیونکہ اللہ خالق ہے اور وہ اس کی مخلوق۔ مخلوق ہو کر، خالق کا مقابلہ کرنا اور اس کے احکام وہدایات سے اعراض وغفلت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کو تکبر سخت ناپسند ہے۔

اس آیت مبارکہ میں تکبر کا نتیجہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ متکبرین کو آیات الٰہی سے دور ہی رکھتا ہے اور پھر وہ اتنے دور ہو جاتے ہیں کہ کسی طرح کی بھی نشانی انہیں حق کی طرف لانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا (ترجمہ) جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو گئی وہ ایمان نہیں لائیں گے چاہے ان کے پاس ہر طرح کی نشانی آ جاوے حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔

وَّاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا: اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں۔ آیت کے اس حصے میں احکام الٰہی سے اعراض کرنے والوں کی ایک عادت یا متکبرین کی نفسیات کو بیان کیا گیا ہے کہ ہدایت کی کوئی بات ان کے سامنے آئے تو اسے تو نہیں مانتے، البتہ گمراہی کی کوئی چیز دیکھتے ہیں تو اسے فوراً اپنا کر راہ عمل بنالیتے ہیں۔ قرآن کریم کی بیان کردہ اس حقیقت کا ہر دور میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ آج ہم بھی ہر جگہ اور ہر معاشرے میں حتیٰ کہ مسلمان معاشروں میں بھی دیکھ رہے ہیں کہ نیکی منہ چھپائے پھر رہی ہے اور بدی کو انسان لپک لپک کر اختیار کر رہا ہے۔

آسمانی ہدایت سے انحراف کا نتیجہ: بے وقعت اعمال

شر پر مشتمل اعمال

وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔

(اعراف۔147)

ہماری نشانیوں کو جس کسی نے جھٹلایا اور آخرت کی پیشی کا انکار کیا اُس کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ یہ جیسے عمل کرتے ہیں ویسا ہی ان کو بدلہ ملے گا۔

The deeds of those who deny Our signs and the meeting ˹with Allah˺ in the Hereafter will be in vain. Will they be rewarded except for what they have done? (7:147)

The acceptance of deeds by God is subject to two conditions. Firstly, one's acts should be in accordance with the Qur'an and Sunnah. Secondly, the deeds should be done to please God only. If these conditions are not fulfilled, a person's acts will have no reward. He who acts only to obtain worldly success, is neither entitled to nor should expect any reward from God in the Hereafter.

اس میں آیات الٰہی کی تکذیب اور احکام کا انکار کرنے والوں کا انجام بتلایا گیا ہے کہ چونکہ ان کے عمل کی اساس عدل و حق نہیں ظلم و باطل ہے۔اس لئے ان کا نامہ اعمال میں شر ہی شر ہو گا جس کی کوئی قیمت اللہ کے ہاں نہ ہو گی۔اور اس شر کا بدلہ ان کو وہاں ضرور دیا جائے گا۔

حبط عمل سے کیا مراد ہے؟

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ: اُس کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ ضائع ہو گئے یعنی بار آور نہ ہوئے، غیر مفید اور لاحاصل نکلے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انسانی سعی و عمل کے بار آور ہونے کا انحصار بالکل دو چیزوں پر ہے۔ایک یہ کہ وہ سعی و عمل اخلاص اور رضائے الٰہی کے مطابق ہو جس میں دنیا کے بجائے آخرت میں سرخروئی مطلوب ہو۔دوسرا وہ عمل شرعی قواعدو ضوابط کے مطابق ہو۔یہ دو شرطیں جہاں پوری نہ ہوں گی وہاں لازماً حبط عمل واقع ہو گا۔ظاہر ہے کہ جس نے سب کچھ دنیا ہی کیلئے کیا وہ اللہ سے کسی اجر کی توقع رکھنے کا حقدار نہیں ہو سکتا۔

آٹھواں رکوع: وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ--- (اعراف۔148)

رکوع کے تفسیری موضوعات

بچھڑے کو معبود بنانے کا واقعہ، گمراہی پر ندامت اور توبہ، قوم کی گمراہی پر حضرت موسیٰؑ کی ناراضگی(ولما رجع موسیٰ الیٰ قومه غضبان اسفاً)،حضرت موسیٰؑ کی دعا:ربّ اغفرلی ولاخی وادخلنا فی رحمتک،انبیاء کرام کی دعائیں۔

بچھڑے کو معبود بنانے کا واقعہ

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ۔ (اعراف۔148)

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (کوہِ طور پر چلے جانے کے) بعد اپنے زیورات سے گوسالہ کا مجسمہ بنایا جس سے آواز نکلتی تھی۔ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ وہ نہ بات کرنے کے لائق ہے اور نہ کوئی راستہ دکھا سکتا ہے انہوں نے اسے معبود ٹھہرالیا اور بڑی ناانصافی کا کام کیا۔

In the absence of Moses, his people made from their ˹golden˺ jewellery an idol of a calf that made a lowing sound. Did they not see that it could neither speak to them nor guide them to the ˹Right˺ Path? Still, they took it as a god and were wrongdoers. (7:148)

When Prophet Moses was on Mount Sinai for forty days in compliance with God's command, during that time his community made a fake god and started worshiping it. They had inclination towards cow-worship due to attachments with Egyptian traditions but what is more surprising about their turn to idolatry is that it took place just three months after their escape from Pharoh. During that time, they had witnessed the parting of the sea, the drowning of Pharaoh, and their own deliverance from what otherwise seemed inescapable slavery from Pharoh and his ruling class. They knew well that all those events had taken place owing to the help of God. Yet they had the audacity to demand that their Prophet should make for them a false god that they might worship. Not only that, soon after Moses left them for Mount Sinai, they themselves contrived a false god.

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق کوہ سیناء پر عبادت وریاضت کیلئے گئے جس کے نتیجے میں انہیں تورات عطا کی گئی تھی۔ ادھر فرعونیوں کے جو زیور بنی اسرائیل کے پاس رہ گئے تھے سامری نامی شخص نے انہیں جمع کیا اور اس سے

بچھڑے کا پتلا بنایا۔ چونکہ وہ پتلا کھوکھلا تھا تو اس میں سے آواز بھی نکلتی تھی۔ اس مصنوعی آواز نے لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کر دیا۔ انہوں نے اس کو کوئی مافوق الفطرت چیز سمجھا۔ سامری نے اس حیرت انگیز **شیطانی ایجاد** کی بنیاد پر بنی اسرائیل کو دعوت دینا شروع کر دی کہ یہی تمہارا خدا ہے۔ چونکہ سامری کو بنی اسرائیل میں ایک معتبر شخص سمجھا جاتا تھا اور اب تو اس نے یہ **شعبدہ** بھی دکھلا دیا تھا تو عام لوگ اور بھی اس کے معتقد ہو گئے۔ بعض لوگ تو اس بچھڑے کی عجیب و غریب آواز سنتے ہی ناچنے لگے اور اس کے سحر اور فریب میں مبتلا ہو گئے۔ سامری نے جب دیکھا کہ قوم **بچھڑے کی محبت** میں گرفتار ہو چکی ہے تو لوہا گرم دیکھ کر اس نے کہا کہ (نعوذ باللہ) تمہارا خدا تو یہی ہے، موسیٰ بھول گئے ہیں۔ لہٰذا اسی بچھڑے کی عبادت کرو۔ نبی اکرم ﷺ نے سچ فرمایا تھا کہ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا کر دیتی ہے۔

مقام حیرت ہے کہ بنی اسرائیل کو ابھی مصر سے نکلے ہوئے صرف تین مہینے ہی گزرے تھے۔ سمندر کا پھٹنا، فرعون کا غرق ہونا، ان لوگوں کا بخیریت اس بند غلامی سے نکل آنا جس کے ٹوٹنے کی کوئی امید نہ تھی، اور اس سلسلے کے دوسرے واقعات ابھی بالکل تازہ تھے، اور انہیں خوب معلوم تھا کہ یہ جو کچھ ہوا محض **اللہ کی قدرت** سے ہوا ہے، کسی دوسرے کی طاقت و تصرف کا اس میں کچھ دخل نہ تھا۔ مگر اس پر بھی انہوں نے پہلے تو پیغمبر سے ایک مصنوعی خدا طلب کیا، اور پھر پیغمبر کے پیٹھ موڑتے ہی خود ایک مصنوعی خدا بنا ڈالا۔

گمراہی پر ندامت اور توبہ

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (اعراف۔149)

پھر جب ان کی فریب خوردگی کا طلسم ٹوٹ گیا اور اُنہوں نے دیکھ لیا کہ وہ واقعی گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہم سے درگزر نہ کیا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔

Later, when they were filled with remorse and realized they had gone astray, they cried: If our Lord does not have mercy on us and forgive us, we will certainly be losers. (7:149)

سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ محاورہ ہے جس کے معنی نادم ہونا ہیں۔ یہ ندامت موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی کے بعد ہوئی، جب انہوں نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

قوم کی گمراہی پر موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِىْ مِنْۢ بَعْدِىْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِىْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِىْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِىَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِىْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (اعراف۔150)

اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف واپس آئے غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تو فرمایا کہ بہت بری جانشینی کی تم لوگوں نے میرے بعد! کیا تم سے اتنا صبر نہ ہوا کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر لیتے؟ اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف کھینچنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی جان! لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں۔ تو ایسا کام نہ کیجیے کہ دشمنوں کو طعنہ کا موقع ملے اور مجھے ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے۔

When Moses returned to his people, furious and grieved, he said: Miserable is what you have done in my absence! Then he put down the Tablets and took hold of his brother's head, pulling him to himself. Aaron pleaded: O son of my mother! The people overpowered me and were about to kill me. So do not ˹humiliate me and˺ make my enemies rejoice, nor count me among the wrongdoing people. (7:150)

اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے تو معلوم ہوا کہ ان کی قوم نے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی ہے تو فرمایا کہ کیا تم نے اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے جلد بازی کی، یعنی اللہ کی کتاب تورات کے آنے کا انتظار تو کر لیتے۔ اس صورتحال کو دیکھ کر موسیٰؑ سخت ناراض ہوئے اور جلدی میں تختیاں بھی جو کوہ طور سے لائے تھے، ایسے طور پر رکھیں کہ دیکھنے والے کو محسوس ہو کہ انہوں نے نیچے پھینک دی ہیں جسے قرآن نے وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ ڈال دیں سے تعبیر کیا ہے۔ تاہم اگر پھینک بھی دی ہوں تو اس میں سوء بے ادبی نہیں کیونکہ مقصد ان کا تختیوں کی بے ادبی نہیں تھا بلکہ دینی غیرت و اہمیت میں بے خود ہو کر غیر اختیاری طور پر ان سے یہ فعل سرزد ہوا۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث مبارکہ کے اندر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے واقعی خبر کے دیکھنے میں اور خبر کے سننے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ قوم کی گمراہی کی جب صرف خبر سنی تو تختیاں ہاتھ سے نہ گرائیں لیکن قوم

کی گمراہی کے منظر کو(یعنی ان کی گوسالہ پرستی کو)اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو اپنے غم وغصّہ کو قابو میں نہ رکھ سکے اور تختیاں پھینک دیں۔(بحوالہ ابن کثیرؒ)

اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ: حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنا عذر پیش کیا کہ لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے اور قریب تھا کہ قتل کردیں جس کی وجہ سے وہ قوم کو شرک جیسے گناہ کبیرہ سے روکنے میں ناکام رہے۔ایک اپنی بے بسی اور دوسرا قوم کا عناد اور سرکشی کہ انہیں قتل تک کردینے پر آمادہ ہوگئے تھے لہٰذا انہیں اپنی جان بچانے کے لئے خاموش ہونا پڑا۔دینی معاملات میں اس قسم کی حکمت عملی کی اجازت ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی دعا

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَ اَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ (اعراف۔151)

موسیٰؑ نے دعا کی: اے رب، مجھے اور میرے بھائی کی بخشش فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما، تو سب سے بڑھ کر رحیم ہے۔

Dua of Prophet Moses

My Lord! Forgive me and my brother! And admit us into Your mercy. You are the Most Merciful of the merciful. (7:151)

اس آیت میں حضرت موسیٰؑ کی دعا کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے لئے اور اپنے بھائی کیلئے کی تھی۔اپنے بھائی ہارون کے لئے تو اس بناء پر دعائے مغفرت کی کہ شاید ان سے کوئی کوتاہی قوم کو گمراہی سے روکنے میں ہوئی ہو اور اپنے لئے دعائے مغفرت اس بنا پر کی کہ جلدی کے ساتھ الواح تورات کو رکھ دینا جس کو قرآن کریم نے ڈال دینے سے تعبیر کر کے ایک غلطی پر متنبہ فرمایا ہے اس سے مغفرت طلب کرنا مقصود تھا۔یا اس بنا پر اپنے لئے دعا کی کہ دعا کا ادب ہے کہ جب دوسرے کے لئے دعا کرے تو اپنے آپ کو بھی اس میں شامل کرے تا کہ اس کا استغناء محسوس نہ ہو یعنی یہ کہ یہ اپنے آپ کو دعا کا محتاج نہیں سمجھتا۔پیش امام کیلئے بھی یہ ہدایت ہے کہ اجتماعی دعا کے وقت خاص اپنے لئے انفرادی دعا نہ کرے بلکہ نمازیوں کو بھی اپنی دعا میں شامل کرے۔دعا ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے کسی کو استغناء نہیں ہو سکتا۔یہی وجہ ہے گناہوں سے معصوم ہستیاں انبیاء

کرامؑ کی دعائیں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عمرہ پر روانہ کرتے وقت فرمایا تھا:
یا اخی لن تنسانا من دعائک۔ اے میرے بھائی! اپنا دعا کے اندر ہمیں نہ بھولنا۔

نواں رکوع: اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ۔۔۔ (اعراف۔152)

رکوع کے تفسیری موضوعات

شرک وبدعت کا وبال، توبہ کا دروازہ سب کیلئے کھلا ہے، سچی توبہ اور سچا ایمان: اللہ کی رحمت اور مغفرت کا ذریعہ، تورات اپنے وقت میں ذریعہ ہدایت ورحمت تھی، ستر لوگوں کی کوہ طور پر اجتماعی توبہ، گوسالہ پرستی کے گناہ کی توبہ، کوہ طور پر اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ، حضرت موسیٰؑ کی ایک اور دعا: انت ولینا فاغفرلنا وارحمنا ۔۔، دنیا اور آخرت میں بھلائی کی دعا: واکتب لنا فی هٰذه الدنیا حسنة وفی الآخرة۔۔، وسعت رحمت الٰہی (ورحمتی وسعت کل شیء)، اللہ کی رحمت کے مستحق کون لوگ ہیں؟ تورات اور انجیل میں نبی اکرمؐ کی پیشن گوئی کا ذکر (یجدونه مکتوباً عندهم فی التوراة والانجیل)، آسان اور رواداری والا دین، رحمتیں اور آسانیاں بانٹنے والا نبیؐ (ویضع عنهم اصرهم والاغلٰل التی کانت علیهم)، نبی اکرمؐ کے حقوق: ایمان، ادب واحترام، نور ہدایت کی پیروی، نصرت ومدد۔

شرک وبدعت کا وبال

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِيْنَ۔ (اعراف۔152)

بے شک جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی وہ ضرور اپنے رب کے غضب میں گرفتار ہو کر رہیں گے اور دنیا کی زندگی میں بھی ذلیل ہوں گے۔ اور ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

Those who chosen the calf for themselves will certainly be afflicted with wrath from their Lord as well as disgrace in the life of this world. This is how We reward those who invent falsehood. (7:152)

یہ سورۃ اعراف کا انیسواں رکوع ہے، اس کی پہلی آیت میں گوسالہ پرستی کرنے والے اور اس پر قائم رہنے والے بنی اسرائیل کے انجام بد کا ذکر ہے کہ آخرت میں ان کو رب العالمین کے غضب سے سابقہ پڑے گا جس کے بعد کہیں پناہ کی جگہ نہیں

اور دنیا میں بھی ان کو ذلت وخواری نصیب ہوگی۔ بعض گناہوں کی کچھ سزا دنیا میں بھی ملتی ہے جیسے سامری اس کے ساتھیوں کا حال ہے کہ انہوں نے گوسالہ پرستی سے صحیح توبہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا میں ہی خوار وذلیل کر دیا۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا: وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ۔ یعنی جو لوگ اللہ پر افتراء کرتے ہیں ان کو ایسی ہی سزا دی جاتی ہے، سفیان بن عیینہؒ نے فرمایا کہ جو لوگ دین میں بدعت اختیار کرتے ہیں وہ بھی اس افتراء علی اللہ کے مجرم ہو کر اس سزا کے مستحق ہوتے ہیں (مظہری)

امام مالکؒ نے اسی آیت سے استدلال کر کے فرمایا کہ دین میں اپنی طرف سے بدعات ایجاد کرنے والوں کی یہی سزا ہے کہ آخرت میں بھی غضب الٰہی کے مستحق ہوں گے اور دنیا میں بھی ذلت ورسوائی کے۔ (قرطبی)

توبہ کا دروازہ سب کیلئے کھلا ہے

سچی توبہ اور سچا ایمان: اللہ کی رحمت اور مغفرت کا ذریعہ

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

(اعراف۔153)

اور جن لوگوں نے گناہوں والے اعمال کیے پھر (سچی) توبہ کر لی اور (سچے) ایماندار بن گئے تو یقیناً اِس توبہ وایمان کے بعد تیرا رب درگزر اور رحم فرمانے والا ہے۔

Those who commit sins, then repent and become ˹true˺ believers, your Lord will certainly be All-Forgiving, Most-Merciful. (7:153)

سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے چاہے گناہ کفر وشرک اور نفاق وشقاق ہی کیوں نہ ہو۔ (بحوالہ ابن کثیرؒ)

اس آیت میں ان لوگوں حال بیان کیا گیا ہے جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کی تنبیہ کے بعد اپنے گناہ سے توبہ کر لی تھی۔ توبہ کے لئے جو شرائط اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر لگائی گئیں ان کو بھی انہوں نے پورا کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمالیا۔

اس آیت کا عمومی مطلب یہ ہے کہ جو لوگ برے اعمال کے مرتکب ہوں، خواہ کیسے ہی بڑے گناہ کفر ومعصیت کے ہوں اگر وہ اس کے بعد سچی توبہ کر لیں، اپنے عقائد کو درست کر لیں اور تقاضا ایمان کے مطابق اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں تو

اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی رحمت سے معاف فرمادیں گے۔ اس لئے انسان کو چاہیئے کہ جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کی طرف رجوع کرے۔

تورات کا نسخہ ہدایت اور رحمت تھا

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ۔ (اعراف۔154)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ فرد ہوا تو انہوں نے تورات کی تختیوں کو اٹھالیا۔ اور اس (تورات) کے مضامین میں ہدایت اور رحمت کی باتیں تھیں ان لوگوں کے لئے جو خدا خوفی رکھتے ہیں۔

When Moses' anger subsided, he took up the Tablets whose text contained guidance and mercy for those who stand in awe of their Lord. (7:154)

قتادہؒ فرماتے ہیں کہ تورات کی ان تختیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لکھا دیکھا تھا کہ ایک امت تمام امتوں سے بہتر ہو گی جو لوگوں کے لئے قائم کی جائے گی جو بھلی باتوں کا حکم کرے گی اور برائیوں سے روکے گی تو حضرت موسیٰؑ نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو یہی امت بنادے جواب ملا کہ یہ امت احمد یعنی آخری نبی محمد ﷺ کی امت ہے۔ پھر پڑھا کہ ایک امت ہو گی جو دنیا میں سب سے آخر آئے گی اور جنت میں سب سے پہلے جائے گی تو بھی آپ نے یہی درخواست کی اور یہی جواب پایا کہ یہ امت آخری نبی کی امت ہو گی۔ پھر پڑھا کہ ایک امت ہو گی جن کی کتاب ان کے سینوں میں ہو گی جس کی وہ تلاوت کریں گے یعنی حفظ کریں گے اور دوسرے لوگ دیکھ کر پڑھتے ہیں۔ اگر ان کی کتابیں اٹھ جائیں تو علم جاتا رہے کیونکہ انہیں حفظ نہیں۔ اس طرح کا حافظہ اسی امت کیلئے مخصوص ہے کسی اور امت کو نہیں ملا۔۔۔(بحوالہ ابن کثیرؒ)

ستر لوگوں کی کوہ طور پر اجتماعی توبہ

کوہ طور پر اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۖ اَ تُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۖ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ۔ (اعراف۔155)

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم میں سے ستر لوگ (کوہ طور پر اجتماعی توبہ) کے لیے منتخب کئے، لیکن جب ان کو (اللہ کو دیکھنے پر اصرار کے نتیجے میں) زلزلہ نے آپکڑا تو موسیٰ (علیہ السلام) عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار! اگر تجھ کو یہ منظور ہوتا تو اس سے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہم میں سے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دے گا؟ یہ واقعہ محض تیری طرف سے ایک امتحان ہے، ایسے امتحانات سے جس کو تو چاہے راہ راست سے ہٹا دے اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم رکھے۔ تو ہی تو ہمارا کارساز ہے پس ہم پر مغفرت اور رحمت فرما اور تو سب معافی دینے والوں سے زیادہ اچھا ہے۔

Moses chose seventy people from his community for Our appointment (for repentance) and, when they were seized by turbulence, he cried: My Lord! Had You willed, You could have destroyed them long ago, and me as well. Will You destroy us for what the foolish among us have done? This is only a test from You—by which You allow whoever you will to stray and guide whoever You will. You are our Guardian. So, forgive us and have mercy on us. You are the best forgiver. (7:155)

Moses was summoned for the second time to Mount Sinai along with seventy community leaders in order that they might seek pardon for their calf-worship and renew their covenant with God.

بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کے گناہ کی توبہ کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب کیے اور انہیں اجتماعی توبہ اور معذرت کیلئے کوہ طور پر لے گئے مگر وہاں جاکر ان لوگوں نے ایک نیا مطالبہ کر دیا۔ سورۃ بقرۃ میں ہے کہ: لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ اے موسیٰؑ ہم ہرگز تیرا یقین نہیں کریں گے جب تک کہ اپنے روبرو اللہ کو نہ دیکھ لیں۔ اس گستاخانہ مطالبہ پر ان کو صاعقہ یعنی بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا۔ جس کی وجہ سے یہ بیہوش ہو کر گر گئے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بظاہر ہلاک یا نیم مردہ ہو گئے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا، اول تو اس لئے کہ یہ لوگ اپنی قوم کے منتخب لوگ تھے۔ دوسرا واپس جاکر اپنی قوم میں کیا جواب دیں گے۔ قوم کے لوگ تو یہ تہمت لگائیں گے کہ موسیٰؑ نے ان سب کو کہیں لے جاکر قتل کرا دیا۔ اس تہمت کے بعد یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ لوگ میری جان کے بھی درپے ہو جائیں گے۔ بہر حال اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا و التجاء سے ان کو نئی زندگی عطا کی گئی۔

اس کا ذکر سورۃ بقرۃ میں ہے: ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ سورۃ بقرہ میں اس جگہ صاعقہ کا لفظ آیا ہے اور یہاں رجفہ کا۔ صاعقہ کے معنی بجلی کی کڑک اور رجفہ کے معنی زلزلہ کے ہیں، اس میں کوئی بعد نہیں کہ دونوں چیزیں جمع ہوگئی ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام کی ایک اور دعا

اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ۔ (اعراف۔155)

اے ہمارے ربّ! آپ ہی ہمارے سرپرست اعلیٰ ہیں۔ بس ہمیں معاف کر دیجیے اور ہم پر رحم فرمائیے، آپ سب سے بڑھ کر معاف فرمانے والے ہیں۔

You are our Guardian. So, forgive us and have mercy on us. You are the best forgiver. (7:155)

دنیا و آخرت میں بھلائی کی دعا

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ۔۔ (اعراف۔156)

اور (اے اللہ) ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دیجیے اور آخرت میں بھی۔ بے شک! ہم (ہر معاملے میں) تیری طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔

(O, Allah) Ordain for us what is good in this life and the next. Indeed, we have turned to You ˹in repentance˺. (7:156)

وسعت رحمت الٰہی

قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ۔ (اعراف۔156)

سزا تو میں جسے چاہوں دے سکتا ہوں، مگر میری رحمت ساری چیزوں سے وسیع ہے، اور اُسے میں اُن لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے۔

Allah replied: I will inflict My torment on whoever I will. But My mercy encompasses everything. I will ordain mercy for

those who shun evil, pay alms-tax, and believe in Our revelations. (7:156)

حضرت موسیٰؑ کی اپنی قوم کیلئے دعا مغفرت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: عَذَابِيٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ یعنی اے موسیٰ اول تو میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ چنانچہ میں اپنا عذاب اور غضب تو صرف اسی پر واقع کرتا ہوں جو انتہائی سرکش اور متمرد ہوتے ہیں۔ میری رحمت ایسی عام ہے کہ سب اشیاء کو محیط ہو رہی ہے یعنی میری رحمت سب کیلئے عام ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جس طریقے پر خدائی کر رہا ہے اس میں اصل چیز غضب نہیں ہے جس میں کبھی کبھی رحم اور فضل کی شان نمودار ہو جاتی ہو، بلکہ اصل چیز رحم ہے جس پر سارا نظام عالم قائم ہے اور اس میں غضب صرف اس وقت نمودار ہوتا ہے جب بندوں کا تمرّد اور سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ اس کی وسعت رحمت ہی ہے کہ دنیا میں صالح و فاسق اور مومن و کافر دونوں ہی اس کی رحمت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس آیت میں یہاں صاف لفظوں میں حضرت موسیٰؑ کی دعا کی قبولیت کا صراحتاً ذکر نہیں۔ جیسے دوسرے مواقع میں صاف فرمادیا گیا: قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى یعنی اے موسیٰ وہارون آپ کا سوال پورا کر دیا گیا، اور دوسری جگہ ارشاد ہے اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا یعنی اے موسیٰ وہارون آپ دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔ لیکن اس یہاں اس آیت میں اس طرح کی کوئی صراحت نہیں۔ اس لئے بعض حضرات نے ان آیات کا مفہوم یہ قرار دیا کہ موسیٰؑ کی یہ درخواست اپنی امت کے بارے میں تو قبول نہ ہوئی البتہ امت محمدیہ کے حق میں قبول کر لی گئی جن کا ذکر بعد کی آیات میں آرہا ہے۔

تفسیر روح المعانی میں کہ حضرت موسیٰؑ کی دعا کے دو جزء تھے ایک یہ کہ جن لوگوں پر عتاب و عذاب ہوا ہے ان کو معافی دی جائے اور ان پر رحمت کی جائے، دوسرا یہ کہ میری پوری قوم کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی مکمل لکھ دی جائے۔ موسیٰؑ کی پہلی دعا ان لوگوں کے حق میں بلا کسی شرط کے قبول کر لی گئی۔ یعنی ان لوگوں کو معاف کر دیا گیا اور ان پر رحمت کر دی گئی۔ لیکن دوسری دعا جس میں ان کیلئے دنیا و آخرت کی مکمل بھلائی لکھ دینے کی درخواست تھی اس کے متعلق چند شرائط لگائی گئیں یعنی اس دعا کو مشروط طور پر قبول کیا گیا۔

آیت کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں تو ہر انسان کیلئے عام ہے مگر عالم آخرت اچھے برے کے درمیان امتیاز رکھا گیا ہے۔ آخرت میں رحمت الٰہی کے مستحق صرف وہ لوگ ہوں گے جو چند شرائط کو پورا کریں مثلاً ایمان اور صالح اعمال۔ جو لوگ یہ صفات پوری کر لیں تو ان کے لئے بھی دنیا و آخرت کی بھلائی لکھ دی جائے گی۔

حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ جب آیت: وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ نازل ہوئی تو ابلیس نے کہا کہ میں بھی اس رحمت میں داخل ہوں۔ لیکن بعد کی آیات میں بتلا دیا گیا کہ رحمت آخرت ایمان کی شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ اس کو سن کر ابلیس مایوس ہو گیا۔

حدیث: حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے 100 حصے ہیں۔ یہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے کہ جس سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے اور وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور اس نے اپنی رحمت کے 99 حصے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں۔ (صحیح مسلم)

حدیث: مسند امام احمدؒ میں ہے کہ ایک اعرابی آیا اونٹ بٹھا کر اسے باندھ کر نماز میں حضور ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر اونٹ کو کھول کر اس پر سوار ہو کر اونچی آواز سے دعا کرنے لگا کہ اے اللہ مجھ پر اور محمدؐ پر رحمت فرما اور اس رحمت میں کسی اور شریک نہ کر۔ آپؐ نے یہ سن کر فرمایا کہ بتاؤ یہ زیادہ عقل و فہم سے عاری ہے یا اس کا اونٹ؟ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اے شخص! تو نے اللہ کی بہت ہی کشادہ رحمت کو بہت تنگ چیز سمجھ لیا ہے۔

اس آیت کے اگلے حصّے میں فرمایا گیا کہ اللہ کی رحمت کے مستحق کون لوگ ہیں:

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ: میں اپنی رحمت اُن لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ تم پر اللہ کی رحمت نازل ہونے کے لیے جو شرائط موسیٰؑ کے زمانے میں عائد کی گئی تھیں وہی آج تک قائم ہیں اور دراصل یہ انہی شرائط کا تقاضا ہے کہ تم اس پیغمبر پر ایمان لاؤ، تقویٰ اور خوف خدا اختیار کرو، اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو۔

تورات اور انجیل میں نبیؐ کی پیشن گوئی کا ذکر

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ۔ (اعراف۔157)

(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسولؐ کی پیروی کرتے ہیں جو نبی اُمی ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

Those who follow the Messenger, the unlettered Prophet, whom they find written [i.e., described] in what they have of the Torah and the Gospel. (7:157)

پچھلی آیت میں حضرت موسیٰؑ کی دعا کے جواب میں ارشاد ہوا تھا کہ یوں تو اللہ کی رحمت ہر چیز ہر شخص کے لئے وسیع ہے آپ کی موجودہ امت بھی اس سے محروم نہیں، لیکن مکمل نعمت و رحمت کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو ایمان و تقویٰ اور دوسری مطلوبہ صفات کو پورا کریں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ان شرائط پر پورے اترنے والے کون لوگ ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نبی امی ﷺ کی اتباع کریں گے۔ اس ضمن میں حضور اکرم ﷺ کے چند خصوصی فضائل کا بھی ذکر فرما کر آپؐ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ فلاح آخرت کے لئے ایمان کے ساتھ اتباع سنّت ضروری ہے۔

الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ: اس جگہ رسول اور نبی کے دو لقبوں کے ساتھ آپ کی ایک تیسری صفت امی بھی بیان کی گئی ہے۔ امی کے لفظی معنی ان پڑھ کے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو، عام قوم عرب کو قرآن میں امیین اسی لئے کہا گیا ہے کہ ان میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا۔ مگر نبی کریم ﷺ کے علوم و معارف اور خصوصیات اور حالات و کمالات کے ساتھ امی ہونا آپ کے لئے بڑی صفت کمال بن گئی ہے، کیونکہ اگر علمی عملی اخلاقی کمالات کسی لکھے پڑھے آدمی سے ظاہر ہوں تو وہ اس کی تعلیم کا نتیجہ ہوتے ہیں لیکن ایک امی شخص سے ایسے بیش بہا علوم اور بے مثال حقائق و معارف کا صدور اس کا ایک ایسا کھلا ہوا معجزہ ہے جس سے کوئی معاند و مخالف بھی انکار نہیں کر سکتا۔ خصوصاً آپ کی زبان مبارک پر وہ کلام جاری ہوا جس کی ایک آیت کی مثال لانے سے ساری دنیا عاجز ہو گئی، تو ان حالات میں آپ کا امی ہونا آپ کے رسول من جانب اللہ ہونے اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر ایک بہت بڑی شہادت ہے۔ اس لئے امی ہونا اگرچہ دوسروں کے لئے کوئی صفت مدح نہیں مگر رسول اللہؐ کے لئے بہت بڑی صفت مدح و کمال ہے، جیسے متکبر کا لفظ عام انسانوں کے لئے صفت مدح نہیں بلکہ عیب ہے مگر حق تعالیٰ شانہ کے لئے خصوصیت سے صفت مدح ہے۔

آسان اور رواداری والا دین

رحمتیں اور آسانیاں بانٹنے والا نبیؐ

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ (اعراف۔157)

وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

Easy and Tolerant Faith

He (Prophet Mohamad) enjoins upon them what is right and prohibits them from what is wrong and makes permissible for them what is good and forbids them from what is evil and relieves them of their burden and the shackles which were upon them. (7:157)

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ: وہ رسولؐ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے۔ اس آیت میں اچھے کاموں کو معروف کے لفظ سے اور برے کاموں کو منکر کے لفظ سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ دین میں نیک کام صرف اس کو سمجھا جائے گا جو دور نبویؐ اور دور صحابہ میں رائج ہوا اور جانا پہچانا گیا اور جو ایسا نہ ہو وہ منکر کہلائے گا۔ احادیث صحیحہ میں ایسے کاموں کو جن کی تعلیم حضور اکرمؐ اور صحابہ کرام کی طرف سے نہیں پائی جاتی ان کو محدثات الامور اور بدعت فرما کر گمراہی قرار دیا ہے۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ: دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ حضور اکرمؐ لوگوں کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال فرماویں گے اور بری چیزوں کو حرام۔ مراد یہ ہے کہ بہت سی پاکیزہ اور پسندیدہ چیزیں جو پچھلی امتوں کیلئے حرام کر دی گئی تھیں، حضور اکرمؐ ان کی حرمت کو ختم کر دیں گے۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ: اور (وہ نبی رحمتؐ) ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ حضور اکرمؐ کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی گئی کہ وہ لوگوں سے اضافی بوجھ اور غیر ضروری شرعی پابندیاں ختم کر دیں گے۔ لفظ اصر کے معنی فالتو بوجھ کے ہیں جو آدمی کو حرکت کرنے سے روک دے اور اغلال غل کی جمع ہے، اس ہتھکڑی کو غل کہتے ہیں جس کے ذریعہ مجرم کے ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے اور وہ بالکل بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اصر اور اغلال یعنی بار گراں اور قید سے مراد اس آیت میں وہ

سخت احکام ہیں جو اصل دین میں مقصود نہ تھے مگر لوگوں نے خود بخود اپنے اوپر لازم کر لئے تھے۔ حضور اکرمؐ کی بعثت کا ایک مقصد ان سخت احکام کو منسوخ کر کے آسان احکام جاری فرمانا تھا۔

حدیث: اسی کو حضور اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ میں نے تم کو ایک سہل اور آسان شریعت پر چھوڑا ہے جس میں نہ کوئی مشقت ہے نہ گمراہی کا اندیشہ۔

حدیث: ایک حدیث میں ارشاد ہے الدین یسر یعنی دین آسان ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا کہ: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔

آیت کا مدعا یہ ہے کہ یہ پیغمبرؑ لوگوں کے کندھوں سے سارے اضافی بوجھ یعنی غیر ضروری مذہبی پابندیاں اتار کر اور ساری اضافی بندشیں توڑ کر ان کی زندگی آسان بنانے آیا ہے۔ وہ ساری پابندیاں جو ان کے فقیہوں نے اپنی قانونی موشگافیوں سے، ان کے روحانی مقتداؤں نے اپنے تورُّع کے مبالغوں سے، اور ان کے جاہل عوام نے اپنے توہمات اور خود ساختہ حدود و ضوابط سے ان کی زندگیوں کو جہنم بنا رکھا تھا، ان ساری بندشوں سے ان کو آزاد کرنے آیا ہے۔

حدیث: بعثت بالحنیفیۃ السمحہ۔ مجھے آسان، یکسو دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ (مسند احمد)

حدیث: ان الدّین یسرا ولن یشاد الدین احد الّا غلبہ، فسددو و قاربو وابشرو۔ یقیناً دین اسلام آسان دین ہے۔ جو اس میں سختی کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا۔ تو اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو۔ ایک دوسرے کے قریب مل جل کر رہو۔ اور لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنے والی اچھی اچھی باتیں بتاتے رہو (ان کو دین سے متنفر مت کرو)۔ (بخاری۔ کتاب الایمان، باب الدّین یسراً)

حدیث: حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل کو جب حضور ﷺ نے یمن کا امیر بنا کر بھیجا تو ہدایت دی کہ: تم دونوں خوش خبری دینا، نفرت نہ دلانا، آسانی کرنا، سختی نہ کرنا، مل کر رہنا، اختلاف نہ کرنا۔

حدیث: عَنْ عبد اللہ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: حُرِّمَ عَلَى النَّارِ كُلُّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ سَهْلٍ قَرِيْبٍ مِنَ النَّاسِ۔ (مسند احمد)
سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آگ پر ہر اس شخص کو حرام قرار دیا گیا ہے، جو نرمی کرنے والا، آسانی کرنے والا اور لوگوں کے ہاں ہر دلعزیز ہو۔ (مسند احمد)

آپ کے صحابی ابوبرزہ اسلمیؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور کے ساتھ رہا ہوں اور آپؐ کی آسانیوں کا خوب مشاہدہ کیا ہے پہلی امتوں میں بہت سختیاں تھیں لیکن پروردگار عالم نے اس امت سے وہ تمام تنگیاں دور فرمادیں۔ اس امت کو آسان دین اور سہولت والی شریعت عطا فرمائی گئی۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میری امت کے دلوں میں جو وسوسے گذریں ان پر انہیں پکڑ نہیں جب تک کہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل میں نہ لائیں۔

حدیث: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی بھول چوک اور غلطی سے اور جو کام ان سے جبراً کئے کرائے جائیں ان سے اللہ تعالیٰ نے قلم اٹھالیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے حقوق

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

(اعراف۔157)

پس جو لوگ اس (رسولؐ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نورِ (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔

Those who have believed in him, honoured him, supported him, and followed the light which was sent down with him – it is those who will be the successful. (7:157)

یہاں فلاح پانے کے لئے چار شرائط کا ذکر کیا گیا:

1۔ آپ ﷺ پر ایمان

2۔ آپ ﷺ کا ادب واحترام،

3۔ آپ ﷺ کے لائے ہوئے نور ہدایت کی پیروی

4۔ آپ ﷺ کے پیغام کو پھیلانے میں آپکی نصرت و مدد

تعظیم وتکریم کے لئے اس جگہ لفظ عَزَّرُوْہُ لایا گیاہے جو تعزیر سے مشتق ہے، تعزیر کے اصلی معنی شفقت کے ساتھ منع کرنے، حفاظت کرنے کے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس نے عَزَّرُوْہُ کے معنی تعظیم وتکریم کرنے کے بتلائے ہیں۔اور بعض نے کہا کہ اعلیٰ درجہ کی تعظیم کو تعزیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ سنت نبویؐ کا اتباع بھی فرض ہے۔حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے کل راستے بند ہیں بجز اس راستہ کے جو نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ کی صرف اتباع ہی کافی نہیں بلکہ ادب واحترام اور محبت بھی ایمان کا حصّہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی اطاعت اور اتباع تو امت پر فرض ہونا ہی چاہئے تھا کیونکہ انبیاء کے بھیجنے کا مقصد ہی اس کے بغیر پورا نہیں ہوتا، لیکن حق تعالیٰ نے ہمارے رسول مقبول ﷺ کے بارے میں صرف اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ امت پر آپ کی تعظیم و توقیر اور احترام وادب کو بھی لازم قرار دیا ہے اور قرآن کریم میں جابجا اس کے آداب بھی سکھائے گئے ہیں۔مثلاً حضور اکرمؐ کے سامنے بلند آواز سے بات نہ کریں: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ ایک اور آیت کے اندر ہے کہ آپؐ سے پیش قدمی نہ کی جائے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی اے ایمان! اللہ اور اس کے رسول سے پیش قدمی نہ کرو۔

دسواں رکوع: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔۔۔ (اعراف۔158)

رکوع کے تفسیری موضوعات

النبی العالم اور النبی الخاتم ﷺ، ساری انسانیت کی ہدایت کا مشن: وارسلت الی الخلق کافّة، بنی اسرائیل کے اچھے لوگوں کی تعریف (ومن قوم موسیٰ امّة یھدون بالحق)، معجزات موسیٰؑ، قوم موسیٰؑ پر انعامات اور احسانات، حضرت موسیٰؑ کی پانی کی دعا، بارہ چشموں کا جاری ہونا، احسانات کے جواب میں کفران نعمت، ناشکری۔اور اس کے نتیجے میں مسکنت اور ذلت کا ذکر، حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ (کلو من طیبٰت ما رزقنٰکم)، ارض مقدس میں توبہ و استغفار کرتے ہوئے داخلہ (وادخلو الباب سجداً)، انعامات کا جواب ناشکری اور احسان فراموشی، حکم الٰہی کو بدلنے کی سزاء۔

النبی العالم اور النبی الخاتم ﷺ

ساری انسانیت کی ہدایت کا مشن

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (اعراف۔158)

(اے محمدؐ) آپؐ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ جس کی سلطنت آسمانوں وزمین میں ہے۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے، اور پیروی اختیار کرو اُس کی، امید ہے کہ تم راہ راست پالو گے۔

Say, ˹O Prophet˺ O humanity! I am Allah’s Messenger to you all. To Him ˹alone˺ belongs the kingdom of the heavens and the earth. There is no god ˹worthy of worship˺ except Him. He gives life and causes death.” So, believe in Allah and His Messenger, the unlettered Prophet, who believes in Allah and His revelations. And follow him, so you may be ˹rightly˺ guided. (7:158)

یہ آیت نبی کریم ﷺ کی عالمگیر رسالت کی تصدیق کرتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کو حکم دیا ہے کہ آپؐ فرمادیجئے کہ اے ساری دنیا کے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ ساری انسانیت کی ہدایت کا مشن لے کر آئے تھے۔ اب ہدایت حاصل کرنے کیلئے محسن انسانیت ﷺ کی پیروی ضروری ہے۔

امام ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اس آیت سے عقیدہ ختم نبوت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ جب آپ کی بعثت ورسالت قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے اور پورے عالم کے لئے عام ہوئی تو اب کسی دوسرے جدید نبی ورسول کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اسی لئے آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰؑ تشریف لائیں گے تو وہ بھی شریعت محمدی پر عمل کریں گے۔

اس آیت میں بھی اور اس سے پہلی آیت میں بھی آپؐ کو النّبی الامّی کہا گیا ہے۔ اس کی تشریح پچھلی آیت میں گذر چکی ہے۔ امی ہونا نبی کریمؐ کی ایک خاص صفت ہے۔ یعنی آپ نے کسی استاد سے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی لیکن اس کے باوجود آپؐ نے قرآن کریم کی صورت میں ایسی کتاب کو پیش کیا جس کی اعجاز و بلاغت کے سامنے دنیا بھر کے خوش بیان عالم و

فاضل عاجز آ گئے۔ آپؐ نے جو اعلیٰ تعلیمات پیش کیں، ان کی صداقت و حقانیت کی دنیا معترف ہے۔ ورنہ ایک ان پڑھ شخص نہ ایسا قرآن پیش کر سکتا ہے اور نہ ہی ایسی تعلیمات بیان کر سکتا ہے جو عدل و انصاف کا بہترین نمونہ اور انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لئے ضروری ہیں۔ انہیں اپنائے بغیر دنیا میں کوئی انسان حقیقی امن سکون اور راحت وعافیت سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔

اس آیت کی بہترین تفسیر درج ذیل حدیث ہے:

حدیث: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ: فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُوْرًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے دیگر انبیاء پر چھ چیزوں کے باعث فضیلت دی گئی ہے۔ میں جوامع الکلم سے نوازا گیا ہوں اور رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ اور میرے لئے اموال غنیمت حلال کئے گئے ہیں اور میرے لئے ساری روئے زمین پاک کر دی گئی اور سجدہ گاہ یعنی نماز کیلئے موزوں بنا دی گئی ہے اور میں تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری آمد سے انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے یعنی میں **خاتم النبیّین** ہوں۔ (مسلم، ترمذی)

حدیث: مسند امام احمدؒ کی روایت میں ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ رات کو تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ اس دوران بہت سے صحابہ آپ کے پیچھے جمع ہو گئے کہ آپ کی حفاظت کریں۔ نماز کے بعد آپؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اس رات مجھے **پانچ چیزیں** عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے اور کسی کو نہیں دی گئیں۔ میں تمام انسانیت کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔۔۔ مجھے اپنے دشمنوں پر رعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے گو وہ مجھ سے مہینے بھر کے فاصلے پر ہوں۔ میرے لئے مال غنیمت حلال کئے گئے ہیں حالانکہ مجھ سے پہلے کے لوگ اس مال کو جلا دیا کرتے تھے اور میرے لئے ساری زمین مسجد اور (تیمم کیلئے) پاک بنا دی گئی ہے جہاں کہیں میرے امتی کو نماز کا وقت آ جائے (اگر وضو کیلئے پانی نہ بھی ملے تو) وہ تیمم کر کے کسی پاک جگہ پر نماز ادا کر سکتا ہے۔ حالانکہ پچھلی امتوں کے لوگ سوائے ان جگہوں کے جو نماز کے لئے مخصوص تھیں کسی اور جگہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اور پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ مجھ سے فرمایا گیا آپؐ دعا کیجئے کیا مانگتے ہیں؟ ہر نبی مانگ چکا ہے تو میں نے اپنے اس دعا کو قیامت تک ملتوی رکھا ہوا ہے یعنی قیامت والے دن اپنی امت کی شفاعت کی دعا کروں گا۔ پس وہ تم سب کے لئے ہے اور ہر اس شخص کیلئے جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دے۔ (مسند احمدؒ)

بنی اسرائیل کے اچھے لوگوں کی تعریف

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ۔ (اعراف۔159)

موسیٰؑ کی قوم(یعنی بنی اسرائیل) میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حق کے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور معاملات میں بھی عدل وانصاف کے مطابق چلتے ہیں۔

There are some among the people of Moses who guide with the truth and establish justice accordingly. (7:159)

The purpose of the verse is to emphasize that all members of Banu Israel are not same. There are good people in this community who are righteous, and deal matters with justice and fairness.

اس آیت کا مدعا یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی قوم یعنی بنی اسرائیل کے سارے لوگ برائی اور سرکشی میں مبتلا نہیں تھے بلکہ ان میں نیکوکار، حق پرست اور انصاف پسند لوگ بھی تھے۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب اس قوم میں گوسالہ پرستی کے جرم کا ارتکاب کیا گیا تو اس وقت ساری قوم بگڑی ہوئی نہ تھی بلکہ اس میں ایک اچھا خاصا صالح عنصر بھی موجود تھا۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے تورات وانجیل کے زمانہ میں ان کی ہدایات کے موافق پورا عمل کیا، اور جب خاتم الانبیاء ﷺ مبعوث ہوئے تو تورات وانجیل کی بشارت کے موافق آپؐ پر ایمان لائے اور آپ کا اتباع کیا، بنی اسرائیل کے ان حق پرست لوگوں کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ جس کی تفصیل اس سے پہلے سورۃ آل عمران میں گذر چکی ہے۔

معجزاتِ موسیٰ

قوم موسیٰؑ پر انعامات اور احسانات

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕوَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ (اعراف۔160)

اور ہم نے اس قوم کو بارہ گھرانوں میں تقسیم کرکے انہیں مستقل بارہ حصّوں میں تقسیم کر دیا تھا اور جب موسیٰؑ سے اس کی قوم نے پانی مانگا تو ہم نے اس کو اشارہ کیا کہ فلاں چٹان پر اپنی لاٹھی مارو چنانچہ اس چٹان سے یکایک بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنے پانی لینے کی جگہ متعین کرلی ہم نے اُن پر بادل کا سایہ کیا اور اُن پر من وسلویٰ اتارا کھاؤ وہ پاک چیزیں جو ہم نے تم کو بخشی ہیں مگر اس کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا تو ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ آپ اپنے ہی اوپر ظلم کرتے رہے۔

We divided them into twelve tribes—each as a community. And We revealed to Moses, when his people asked for water: Strike the rock with your staff. Then twelve springs gushed out. Each tribe knew its drinking place. We shaded them with clouds and sent down to them Manna (heavenly bread) and quails, ˹saying˺: Eat from the good things We have provided for you. They ˹certainly˺ did not wrong Us but wronged themselves. (7:160)

God had bestowed numerous of favors upon the Prophet Moses's community. They enjoyed a unique meal consisting of Manna (heavenly bread) and quails (chicken-like birds) in the wilderness of Sinai Peninsula. An extraordinary arrangement for their water supply was made in the Sinai Desert. The sky was covered with clouds to protect them from the scorching heat of the sun. Had this Divine arrangement, catering as it did for the millions of people wandering the necessities of life, not been made, they would certainly have perished. On visiting that land even today it is difficult to visualize how such an arrangement providing shelter, food and water for millions of people was made.

ان آیات سے ملتی جلتی آیات اس سے پہلے سورۃ البقرہ میں بھی گذر چکی ہیں۔ ان دونوں مقامات پر آیات کے الفاظ میں معمولی ردوبدل قرآن مجید کی ادبی لطافت کی دلیل ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا: اور ہم نے اس قوم کو بارہ گھرانوں میں تقسیم کرکے انہیں مستقل بارہ حصّوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ یہ اشارہ ہے بنی اسرائیل کی تنظیم سازی کی طرف جو حضرت موسیٰؑ نے کی۔ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ

کے حکم سے کوہ سینا کے بیابان میں بنی اسرائیل کی مردم شماری کرائی، پھر ان کے 12 گھرانوں کو جو حضرت یعقوب کے دس بیٹوں اور حضرت یوسف کے دو بیٹوں کی نسل سے تھے الگ الگ گروہوں کی شکل میں منظم کیا، اور ہر گروہ پر ایک ایک کمیونٹی لیڈر مقرر کیا تا کہ وہ ان کے اندر اخلاقی، مذہبی، تمدنی و معاشرتی اور فوجی حیثیت سے نظم قائم رکھے اور احکام شریعت کا اجراء کرتا رہے۔ نیز حضرت یعقوب کے بارھویں بیٹے لاوی کی اولاد کو جس کی نسل سے حضرت موسیٰ اور ہارون تھے، ایک الگ جماعت کی شکل میں منظم کیا تا کہ وہ ان سب قبیلوں کے درمیان شمع حق روشن رکھنے کی خدمت انجام دیتی رہے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ ان بارہ قبیلوں کو ایک دوسرے سے ممتاز ہونے کی بنا پر ان کے الگ الگ خاندانی اوصاف کو بطور احسان ذکر فرما رہا ہے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى: ہم نے اُن پر بادل کا سایہ کیا اور اُن پر من و سلویٰ اتارا۔

اس آیت میں بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے مزید تین احسانات کا ذکر فرمایا گیا ہے:

ایک یہ کہ جزیرہ نمائے سینا کے بیابانی علاقہ میں ان کے لیے آب رسانی (واٹر سپلائی) کا غیر معمولی انتظام کیا گیا۔

دوسرے یہ کہ ان کو دھوپ کی تپش سے بچانے کے لیے آسمان پر بادل چھا دیا گیا۔

تیسرے یہ کہ ان کے لیے خوراک کی بہم رسانی کا غیر معمولی انتظام من و سلویٰ کے نزول کی شکل میں کیا گیا۔

ظاہر ہے کہ اگر اس وقت بنی اسرائیل کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان تین اہم ترین ضروریات زندگی کا بندوبست نہ کیا جاتا تو یہ قوم جس کی تعداد کئی لاکھ تک پہنچی ہوئی تھی، اس علاقہ میں بھوک پیاس سے بالکل ختم ہو جاتی۔ آج بھی کوئی شخص وہاں جائے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جائے گا کہ اگر یہاں پندرہ بیس لاکھ مہاجرین کا قافلہ یہاں ٹھہرے تو اس کے لیے پانی، خوراک اور سائے کا آخر کیا انتظام ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے بہت سے محققین نے، جو نہ کتاب کو مانتے ہیں اور نہ معجزات کو تسلیم کرتے ہیں، یہ ماننے سے انکار کر دیا ہے کہ بنی اسرائیل جزیرہ نمائے سینا کے اس حصہ سے گزرے ہونگے جس کا ذکر بائبل اور قرآن میں ہوا ہے۔ ان کا گمان ہے کہ شاید یہ واقعات فلسطین کے جنوبی اور عرب کے شمالی حصہ میں پیش آئے ہوں گے۔ جزیرہ نمائے سینا کے طبعی اور معاشی جغرافیہ کو دیکھتے ہوئے وہ اس بات کو بالکل ناقابل تصور سمجھتے ہیں کہ اتنی بڑی قوم یہاں برسوں ایک ایک جگہ پڑاؤ کرتی ہوئی گزر سکی تھی، خصوصاً جب کہ مصر کی طرف سے اس کی رسد کا راستہ بھی منقطع تھا اور دوسری طرف خود اس جزیرہ نما کے مشرق اور شمال میں عمالقہ کے قبیلے اس کی مزاحمت پر آمادہ تھے۔ ان امور کو پیش نظر رکھنے سے صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان چند مختصر آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے جن احسانات کا ذکر فرمایا

ہے وہ در حقیقت کتنے بڑے احسانات تھے اور اس کے بعد یہ کتنی بڑی احسان فراموشی تھی کہ اللہ کے فضل وکرم کی ایسی واضح نشانیاں دیکھ لینے پر بھی یہ قوم مسلسل ان نافرمانی اور سرکشی کی مرتکب ہوتی رہی جن سے اس کی تاریخ بھری پڑی ہے۔

حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ (الاعراف۔160)

ہم نے جو پاکیزہ نعمتیں تمہیں دی ہیں انہیں کھاؤ۔

Eat from the good things We have provided for you. (7:160)

ارض مقدس میں توبہ واستغفار کرتے ہوئے داخلہ

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (اعراف۔161)

اور جب انہیں حکم دیا گیا تھا کہ تم اس شہر (بیت المقدس) میں سکونت اختیار کرو اور اس کی پیداوار سے حسب منشا روزی حاصل کرو۔ اور زباں سے کہتے جانا کہ توبہ ہے۔ اور جب شہر کے دروازے سے داخل ہونا تو سجدہ کرنا۔ ہم تمہاری غلطیاں معاف کر دیں گے اور نیک رویہ رکھنے والوں کو مزید فضل سے نوازیں گے۔

And ⌜remember⌝ when it was said to them, "Enter this city ⌜of Jerusalem⌝ and eat from wherever you please. Say, 'Absolve us,' and enter the gate with humility. We will forgive your sins, ⌜and⌝ We will multiply the reward for the good doers. (7:161)

انعامات کا جواب ناشکری اور احسان فراموشی

حکم الٰہی کو بدلنے کی سزاء

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ۔ (اعراف۔162)

مگر جو لوگ اُن میں سے ظالم تھے اُنہوں نے اُس بات کو جو اُن سے کہی گئی تھی بدل ڈالا۔ اس پر ہم نے ان پر ایک آسمانی آفت بھیجی کیونکہ یہ فسق اور نافرمانی کر رہے تھے۔

But the wrongdoers among them changed the words they were commanded to say. So, We sent down a punishment from the heavens upon them for their injustice. (7:162)

گیارہوں رکوع: وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ۔۔۔ (اعراف۔163)

رکوع کے تفسیری موضوعات

اصحاب السبت کا تذکرہ، ہفتے والے کون تھے؟ آزمائش، حیلہ سازی کی مذمت، قصّے میں سبق، فریضہ دعوت و تبلیغ کیلئے نصیحت، فساق وفجار کی اصلاح کی امید ہر وقت رکھنی چاہئے، اصلاح سب استطاعت، مصلحین کو نجات، فاسقین کو سزاء، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انجام ذلت و رسوائی، عذاب، مغفرت اور رحمت، اچھے اور برے لوگ ہر کمیونٹی میں ہوتے ہیں، بنی اسرائیل میں اچھے لوگ بھی تھے، خوشحالی اور بدحالی کی آزمائش (وبلونٰهم بالحسنٰت و السئيات)، نالائق جانشین، مفاد پرست، دنیادار اور ناخلف لوگ، اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں ہوتا (انّا لا نضيع اجر المحسنين)، رفع جبل کا واقعہ، پہاڑ کا سایہ، انوکھا سجدہ۔

اصحاب السّبت کا تذکرہ

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ تَأْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَأْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۔ (اعراف۔163)

اور آپ ان سے اس بستی کا حال دریافت فرمائیں جو سمندر کے کنارے واقع تھی، جب وہ لوگ سبت (ہفتہ) کے دن احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے اور یہ کہ مچھلیاں سبت ہی کے دن ابھر ابھر کر سطح پر اُن کے سامنے آتی تھیں اور سبت کے سوا باقی دنوں میں نہیں آتی تھیں یہ اس لیے ہوتا تھا کہ ہم ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کی آزمائش کر رہے تھے۔

Ask them ˹O Prophet˺ about ˹the people of˺ the town, which was by the sea, who broke the Sabbath. During the Sabbath, ˹abundant˺ fish would come to them clearly visible, but on other days the fish were never seen. In this way We tested them for their rebelliousness. (7:163)

The people of Aylah, an ancient town by the Red Sea, were forbidden to catch fish on the Sabbath. However, on Saturdays fish were everywhere, whereas on weekdays no fish were seen. To get around the prohibition, some decided to lay their nets on Fridays and collect the fish caught in their nets on Sundays. Those opposed to this practice were divided into two groups: one group tried to convince the offenders to honour the Sabbath, but soon gave up when their advice was not taken seriously. The second group was persistent in giving advice to the Sabbath-breakers. Eventually, the Sabbath-breakers were punished whereas the other two groups were saved.

ہفتے والے کون تھے؟

سبت ہفتہ کے دن کو کہتے ہیں۔ یہ دن بنی اسرائیل کے لیے مقدس قرار دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بطور آزمائش تاکید کی تھی کہ اس دن کی حرمت اور تقدس قائم رکھیں، اس روز کوئی دنیوی کام نہ کیا جائے، گھروں میں آگ تک نہ جلائی جائے، شکار نہ کریں، مچھلیاں نہ پکڑیں، جانوروں اور غلاموں سے کوئی خدمت نہ لی جائے لیکن بنی اسرائیل نے آگے چل کر اس شرعی قانون کی علانیہ خلاف ورزی شروع کر دی۔ جس کے نتیجے میں عذاب الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔

بعض مفسرین کے نزدیک اصحاب السبت یعنی ہفتے والے لوگوں کی یہ بستی بحر قلزم کے کنارے واقع تھی۔۔ اس بستی یا شہر کا نام ایلہ تھا۔ اس کے باشندوں کو حکم ملا تھا کہ یہ ہفتہ کے دن کی حرمت کریں اور اس دن شکار نہ کھیلیں، مچھلیاں نہ پکڑیں۔ مگر انہوں نے اللہ کے حکم کو ماننے کے بجائے حیلہ سازی شروع کر دی۔ یہ جمعہ والے دن جال لگاتے، ہفتہ والے دن مچھلیاں جال میں خود بخود پھنستی رہتیں۔ یہ لوگ پھر اتوار والے دن جال نکال لیتے۔ اس طرح یہ عملاً اللہ کے حکم کا مذاق اڑاتے رہے۔ اس جرم اور حیلہ سازی پر اللہ تعالیٰ نے ان کی شکلیں بدل دیں۔

حدیث: ایک حدیث مبارکہ کے اندر نبی کریم ﷺ نے ایسی حیلہ سازی سے اپنی امّت کو بھی متنبہ فرمایا: کہ اصحاب السبت یعنی ہفتے والوں کی طرح تم بھی حیلے کر کے اللہ کے حرام کو حلال نہ کر لینا۔ (بحوالہ ابن کثیرؒ)

اصحاب السبت کے قصّے سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش کے لیے جو طریقے اختیار فرماتا ہے ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جب کسی شخص یا گروہ کے اندر فرماں برداری سے انحراف اور نافرمانی کی جانب میلان بڑھنے لگتا ہے تو اس کے سامنے نافرمانی کے مواقع کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے تاکہ اس کے وہ میلانات جو اندر چھپے ہوئے ہیں کھل کر پوری طرح نمایاں ہو جائیں اور جن جرائم سے وہ اپنے دامن کو خود داغ دار کرنا چاہتا ہے ان سے وہ صرف اس لیے باز نہ رہ جائے کہ ان کے ارتکاب کے مواقع اسے نہ مل رہے ہوں۔ لہٰذا ایک بندہ مومن کو ہر حال میں دین پر استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے چاہے اسے گناہ کا موقع ملے یا نہیں۔ اگر ایک بندہ گناہ کا چانس ملنے پر فوراً گناہ پر تل جاتا ہے تو یہ طرز عمل اس کی شیطانی فطرت کی طرف دلالت کرتا ہے۔

فریضہ دعوت و تبلیغ کیلئے اہم نصیحت

فساق و فجار کی اصلاح کی امید ہر وقت رکھنی چاہیے

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭقَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ (اعراف۔164)

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے (فریضہ دعوت و تبلیغ ادا کرنے والوں سے) کہا کہ تم ایسے لوگوں کو نصیحت کیوں کر رہے ہو جنہیں اللہ ہلاکت یا سخت عذاب میں مبتلا کرے گا؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ ہم یہ سب کچھ تمہارے رب کے حضور اپنا عذر پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں اور اس امید پر کرتے ہیں کہ شاید یہ لوگ اس کی نافرمانی سے پرہیز کرنے لگیں۔

When some of ˹the righteous among˺ them questioned ˹their fellow Sabbath-keepers˺, "Why do you ˹bother to˺ warn those ˹Sabbath-breakers˺ who will either be destroyed or severely punished by Allah?" They replied, "Just to be free from your Lord's blame, and so perhaps they may abstain." (7:164)

جس بستی کے لوگوں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے ان میں تین طرح کے لوگ تھے:

1۔ ایک وہ لوگ تھے جو حیلہ سازی سے اللہ تعالیٰ کے حکم سبت کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔

2۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو حیلہ سازی کے اس عمل کے خلاف تھے۔ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے انہیں اس عمل سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔

3۔ تیسرے وہ لوگ تھے جو حکم سبت کی خلاف ورزی کرنے والوں کی اصلاح سے مایوس ہو چکے تھے۔ اگرچہ خود تو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے تھے مگر دوسروں کو اس گناہ سے منع بھی نہیں کرتے تھے۔ یعنی دوسروں کی گمراہی اور حیلہ سازی پر انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔

اس آیت میں اس تیسری قسم کے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو خاموش تماشائی تھے۔ جو خود تو اس حیلے کا ارتکاب نہیں کرتے تھے مگر دوسروں کو اس گناہ سے منع بھی نہیں کرتے تھے۔ یعنی دوسروں کی گمراہی اور حیلہ سازی پر انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا یا شاید حیلہ سازوں کو سمجھا سمجھا کر ان کی اصلاح سے مایوس ہو چکے تھے۔ انہوں نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والوں کو کہا کہ ان حیلہ سازوں کو دعوت و تبلیغ کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ سنتے تو کسی کی نہیں ہیں۔ اللہ کے عذاب کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔ لہٰذا ان کو دعوت و تبلیغ کر کے اپنا وقت ضائع نہ کرو۔

دوسرے مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس جماعت سے وہی نافرمان، حد سے تجاوز کرنے والے حیلہ ساز مراد ہیں۔ جب دعوت و تبلیغ کرنے والے لوگ ان کو نصیحت کرتے تو یہ جواب میں کہتے تھے کہ جب تمہارے خیال میں ہلاکت یا عذاب الٰہی ہمارا مقدر ہے تو پھر ہمیں وعظ و نصیحت کر کے اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہو؟ تو وہ جواب دیتے کہ ایک تو اپنے رب کے سامنے عذر پیش کرنے کے لیے کہ ہم نے تو فریضہ دعوت و تبلیغ ادا کر دیا تھا تاکہ ہم تو اللہ کی گرفت سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ معصیت الٰہی کا ارتکاب ہوتے ہوئے دیکھنا اور پھر اس پر نکیر نہ کرنا یا حکمت کے ساتھ اسے روکنے کی کوشش نہ کرنا بھی گناہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی گرفت ہو سکتی ہے۔ اور دوسرا اس نصیحت کا فائدہ یہ ہے کہ شاید یہ لوگ حکم الٰہی سے تجاوز کرنے سے باز ہی آ جائیں کیونکہ ایک داعی دین کبھی بھی لوگوں کی اصلاح سے مایوس نہیں ہوتا۔

اس سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ جس معاشرے میں علانیہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی ہوتی ہے اس کا کوئی باشندہ محض اس بنا پر مواخذہ سے بری نہیں ہو سکتا کہ اس نے خود خلاف ورزی نہیں کی، بلکہ اسے اپنے رب کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے لازماً اس بات کا ثبوت فراہم کرنا ہو گا کہ وہ اپنی حد استطاعت تک اصلاح کی کوشش کرتا رہا۔ پھر قرآن اور حدیث کے دوسرے ارشادات سے بھی ہم کو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی جرائم کے باب میں اللہ کا اصول یہی ہے۔ چنانچہ

قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ واتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ ا لَّذَينَ ظَلَمُوْ ا مِنْكُمْ خَآصَّةً۔ ڈرو اس فتنہ سے جس کے وبال میں خصوصیت کے ساتھ صرف وہی لوگ گرفتار نہیں ہوں گے جنھوں نے تم میں سے اس کا ارتکاب کیا ہوگا۔ یعنی اس فتنے پر خاموش تماشائی بننے والوں کا بھی احتساب ہوگا۔

حدیث: اس کی تشریح ایک حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں فرمائی: ان اللہ لا یعذب العامۃ بعمل الخاصۃ حتٰی یرو المنکرین ظھرانیھم وھم قادرون علیٰ ان ینکروہ فلا ینکروہ فاذا فعلوا ذٰلک عذب اللہ الخاصۃ و العامۃ۔ یعنی اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے جرائم پر عام لوگوں کو سزا نہیں دیتا جب تک عوام الناس کی یہ حالت نہ ہو جائے کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے برے کام ہوتے دیکھیں اور وہ ان کاموں کے خلاف اظہار ناراضگی کرنے پر قادر ہوں اور پھر کوئی اظہار ناراضگی نہ کریں۔ پس جب لوگوں کا یہ حال ہو جاتا ہے تو اللہ خاص وعام سب کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (حدیث)

مصلحین کو نجات، فاسقین کو سزاء

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انجام ذلت ورسوائی

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَـِٔيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۔ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ۔ (اعراف۔165۔166)

جب انہوں نے ان باتوں کو فراموش کر دیا جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے (یعنی نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے تھے) ان کو ہم نے نجات دے دی اور ظالموں کو ان کی نافرمانی کے باعث برے عذاب میں پکڑ لیا۔ پھر جب وہ اس کام میں حد سے آگے بڑھ گئے جس سے روکے گئے تھے تو ہم نے حکم دیا کہ ذلیل وخوار ہونے والے بن مانس ہو جاؤ۔

When they ignored the reminders, they were given, We rescued those who used to remind against evil and overtook the wrongdoers with a dreadful punishment for their rebelliousness. But when they stubbornly persisted in violation, We said to them: Be disgraced apes! (5:165.166)

This shows that the people in that town were of three categories. One, those who flagrantly violated God's commands. Two, those who were silent spectators to such violations and discouraged those who admonished the criminals, pleading that their efforts were fruitless. Three, those who, moved by their religious commitment, actively enjoined good and forbade evil so that the evildoers might make amends. In so doing, they were prompted by, a sense of duty, to bring back the misguided people to the right path, and if the latter did not respond to their call, they would at least be able to establish before their Lord that for their part they had fulfilled their duty to admonish the sinners.

مفسرین بشمول امام ابن کثیرؒ کے مطابق عذاب الٰہی کی زد میں آنے والے صرف معصیت کار تھے۔باقی دو جماعتیں نجات پانے والی تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول کے مطابق اصحاب السّبت میں سے جو گروہ نصیحت کرنے کے بعد (یعنی نہی عن المنکر کرنے کے بعد ان کی اصلاح سے) مایوس ہو کر بیٹھ گیا تھا اور پھر روکنا چھوڑ دیا تھا اللہ کا عذاب جب آیا تو یہ گروہ بھی عذاب سے بچ گیا تھا۔ صرف وہی لوگ عذاب سے ہلاک ہوئے تھے جو گناہ میں مبتلا تھے۔(بحوالہ ابن کثیرؒ)

اس سے معلوم ہوا کہ کم از کم ایک دفعہ فریضہ دعوت و تبلیغ کی ادائیگی ضروری ہے تا کہ اللہ کے عذاب سے بچا جا سکے۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ: پھر جب وہ اس کام میں حد سے آگے بڑھ گئے جس سے روکے گئے تھے تو ہم نے حکم دیا کہ ذلیل و خوار ہونے والے بن مانس ہو جاؤ۔ یعنی اس جرم اور حیلہ سازی کے گناہ کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کی شکلیں بدل دیں۔ البتہ ان کے بندر بنائے جانے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی جسمانی ہیئت بگاڑ کر بندروں کی سی کر دی گئی تھی اور بعض اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ ان میں بندروں جیسی صفات پیدا ہو گئی تھیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں صورتیں نہیں بدلی تھیں بلکہ دل مسخ ہو گئے تھے۔ یہ صرف بطور مثال کے بیان کیا گیا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں دوسری جگہ عمل نہ کرنے والوں کو گدھوں سے مشابہت دی گئی۔(کا نھم حمر مستنفرہ۔۔74:50 اور دوسری جگہ مثال دی گئی۔۔ کمثل الحمار۔۔62:5)۔اسی طرح بصیرت سے عاری لوگوں کے بارے

میں فرمایا کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں بلکہ دل اندھے ہیں۔ فَاِنَّـهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ(22:46)

بہر حال چاہے ان پر یہ بگاڑ کا عذاب جسمانی طور پر آیا یا ذہنی طور پر لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ یہ عذاب شدہ لوگ اس کے بعد صرف چند دن تک زندہ رہ سکے۔ اس میں معاملے میں ایک حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے جس سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے حضور ﷺ سے بندروں کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ وہی مسخ شدہ قوم ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم میں مسخ صورت کا عذاب نازل کرتے ہیں تو ان کی نسل نہیں چلتی (بلکہ چند روز میں ہلاک ہو کر ختم ہو جاتے ہیں) اور پھر فرمایا کہ بندر اور خنزیر دنیا میں پہلے سے بھی موجود تھے اور آج بھی ہیں (لہٰذا ان سے اس عذاب کا کوئی جوڑ نہیں)۔

اس آیت سے جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیشہ دینی احکامات کو سنجیدگی سے لینا چاہیے۔ ان کے اندر حیلہ سازی کر کے ان پر عمل نہ کرنا اللہ کے غیض و غضب کو دعوت دینے والی بات ہے۔ اس آیت سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دینی معاملات میں کوئی ایسا حیلہ کرنا جس سے اصل حکم شرعی باطل ہو جائے حرام ہے۔

سرکشی اور نافرمانی پر دائمی عذاب اور رسوائی

عذاب، مغفرت اور رحمت

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (اعراف۔167)

اور وہ وقت یاد کرنا چاہیے جب آپ کے رب نے یہ اعلان کیا کہ (اگر یہ لوگ اپنی سیاہ کاریوں سے باز نہ آئے تو) وہ قیامت تک ان پر ایسے لوگ مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت تکلیف میں مبتلا رکھیں گے۔ یقیناً تمہارا رب سزا دینے میں بھی سخت ہے اور یقیناً وہ درگزر اور رحم سے بھی کام لینے والا ہے۔

And ˹remember, O Prophet˺ when your Lord declared that He would send against them others who would make them suffer until the Day of Judgment. Indeed, your Lord is swift in punishment, but He is certainly All-Forgiving, Most Merciful. (7:167)

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ: اور جب تمہارے رب نے متنبہ فرمایا۔ اصل میں لفظ تاذّن استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم تقریباً وہی ہے جو نوٹس دینے یا خبردار کردینے کا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: اور بے شک وہ درگزر کرنے والا اور رحمت فرمانے والا بھی ہے۔ یعنی اگر ان میں سے کوئی سچی توبہ کرلے اور اپنی باغیانہ روش سے باز آجائے تو وہ ذلت و رسوائی سے بچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بخش بھی سکتا ہے رحمت بھی فرما سکتا ہے کیونکہ بخشش اور رحمت اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

اچھے اور برے لوگ ہر کمیونٹی میں ہوتے ہیں

بنی اسرائیل میں اچھے لوگ بھی تھے

خوشحالی اور بدحالی اللہ کی آزمائش

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (اعراف۔168)

اور ہم نے دنیا میں ان کے مختلف طبقات بنائے۔ بعض ان میں نیک تھے اور بعض ان میں اور طرح کے تھے۔ اور ہم نے ان کی آزمائش انعامات اور مشکلات (دونوں طریقوں) سے کی تاکہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں۔

We dispersed them through the land in groups—some were righteous, others were less so. We tested them with prosperity and adversity, so perhaps they would return ⌜to the Right Path⌝. (7:168)

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا: اور ہم نے دنیا میں ان کے مختلف طبقات بنائے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے قوم موسیٰ کو ٹکڑوں میں بانٹ کر زمین کے مختلف حصوں میں متفرق کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی قوم یا کمیونٹی کا ایک جگہ اکھٹے رہنا اور اپنی اجتماعیت برقرار رکھنا اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان ہوتا ہے اور اس کا مختلف جگہوں میں منتشر ہوجانا یا اس میں افتراق و انتشار آجانا ایک طرح کا عذاب الٰہی۔

مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ: بعض ان میں نیک تھے اور بعض دوسری طرح کے تھے۔ دُوْنَ ذٰلِكَ یعنی دوسری طرح کے لوگوں سے مراد فساق و فجار لوگ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سب ایک ہی طرح کے لوگ نہیں،

کچھ نیک اور اچھے لوگ بھی ہیں۔ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو احکام تورات کے پابند رہے، نہ ان کی نافرمانی میں مبتلا ہوئے نہ کسی تاویل و تحریف کے درپے ہوئے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں جو نزول قرآن کے بعد قرآن پر اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے۔

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ: اور ہم نے ان کی آزمائش انعامات اور مشکلات (دونوں طریقوں) سے کی تاکہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں۔ یعنی ہم نے اچھے برے حالات سے بنی اسرائیل کا امتحان لیا تاکہ وہ رجوع الی اللہ کریں۔ اچھی حالتوں سے مراد ان کو مال و دولت کے ذخیرے اور عیش و عشرت کے سامان دینا ہے، اور بری حالتوں سے مراد یا تو ذلت و رسوائی کے وہ واقعات ہیں جو ہر زمانہ میں مختلف صورتوں سے پیش آتے رہے اور یا کسی وقت کا قحط و افلاس جو ان پر ڈالا گیا وہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی فرماں برداری یا سرکشی کا امتحان لینے کے دو ہی طریقے ہیں، دونوں استعمال کر لئے گئے ایک یہ کہ احسانات و انعامات کر کے اس کی آزمائش کی جائے کہ وہ احسان کرنے والے اور انعام دینے والے کے شکر گزار فرمانبردار رہتے ہیں یا نہیں، دوسرے یہ کہ ان کو مختلف تکالیف و مصائب میں مبتلا کر کے اس کی آزمائش کی جائے کہ وہ اپنے رب کی طرف رجوع ہوتے اور اپنی بداعمالیوں سے توبہ کرتے ہیں یا نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر نعمتوں کے دروازے کھولے، مال و دولت کی فراوانی عطا فرمائی تو کہنے لگے: اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاءُ یعنی (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ فقیر ہیں اور ہم غنی، اور جب ان کو افلاس و ناداری سے آزمایا گیا تو کہنے لگے: يد الله مغلولة یعنی اللہ کا ہاتھ تنگ ہو گیا۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دنیا کی راحت و کلفت اور خوشی و غم در حقیقت اللہ تعالیٰ کا امتحان ہے جس کے ذریعے اہل ایمان کی آزمائش کی جاتی ہے۔ نہ اس جہاں کی تکلیف کچھ زیادہ رونے دھونے کی چیز ہے نہ کوئی راحت مسرور و غرور ہو جانے کا سامان، عاقبت اندیش کے لئے یہ دونوں چیزیں قابل توجہ نہیں۔

اس آیت میں یہ نکتہ بھی بیان کیا گیا کہ ہر قوم کی طرح بنی اسرائیل میں بھی اچھے اور برے لوگ تھے۔ من حیث القوم ان کو اچھے اور برے حالات سے آزمایا گیا کہ شاید وہ اپنے اعمال پر نظر ثانی کریں اور اللہ کی طرف رجوع کریں۔

نالائق جانشین

مفاد پرست، دنیا دار اور ناخلف لوگ

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَأْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَأْخُذُوْهُ ۗ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۗ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (اعراف۔169)

پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف لوگ جانشین ہوئے جو کتاب کے وارث بنے مگر (دین فروشی کرکے) دنیاوی مال (بطور رشوت) لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری بخشش ہوجائے گی۔ اور اگر ایسا ہی مال دوبارہ ان کے ہاتھ لگ جائے تو اسے بھی بے دریغ لے لیں گے۔ کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لے لیا گیا تھا کہ اللہ کے بارے میں حق سچ کے سواء کچھ نہ کہو۔ اور یہ خود کتاب میں پڑھ چکے ہیں جو اس میں لکھا ہے۔ اور آخرت کا گھر متقی لوگوں کے لیے بہتر ہے۔ کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے؟

Then they were succeeded by other generations who inherited the Scripture. They indulged in unlawful gains, claiming, “We will be forgiven ˹after all˺.” And if similar gain came their way, they would seize it. Was a covenant not taken from them in the Scripture that they would not say anything about Allah except the truth? And they were already well-versed in its teachings. But the ˹eternal˺ Home of the Hereafter is far better for those mindful ˹of Allah˺. Will you not then understand? (7:169)

Some people of Divine Scriptures knowingly commit sins in the belief that being God’s chosen people they will necessarily be pardoned and spared God’s punishment. As a result of this misconception, they neither repent nor refrain from committing sins. How unfortunate they are! They received the Scriptures which could have made them leaders of all mankind. But they were so petty-minded that they aspired to nothing higher than paltry worldly benefits. Thus, even though they had the potential of becoming the upholders of justice and righteousness in the world they ended up merely as the slaves of wealth.

The above verse means that salvation is not the exclusive privilege of a particular person or a family. It is absolutely

out of the question that one will attain deliverance even if one commits sins, simply on account of being member of a specific community or noble family. A little reflection will help one realize that only the righteous and God-fearing will be rewarded in the Hereafter.

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ: پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف لوگ جانشین ہوئے۔ خلف (لام پر فتح کیساتھ) اولاد صالح کو اور خلف (بسکون اللام) نالائق اولاد کو کہتے ہیں۔ اردو میں بھی ناخلف کی ترکیب نالائق اولاد کے معنی میں مستعمل ہے۔

وَّرِثُوا الْكِتٰبَ: جو کتاب کے وارث بنے۔ وہ چیز جو مرنے والوں کے بعد زندہ رہنے والوں کو ملتی ہے اس کو میراث یا وراثت کہا جاتا ہے، معنی یہ ہیں کہ کتاب تورات ان لوگوں کو اپنے بڑوں سے وراثت میں مل گئی یعنی ان کے مرنے کے بعد ان لوگوں کے ہاتھ آئی۔ مگر یہ لوگ اس عالیشان کتاب کی وراثت کا حق ادا کرنے کے بجائے دنیاداری کے پیچھے پڑھ گئے۔ بدنصیب لوگ اس کتاب کے وارث ہوئے جو ان کو دنیا کا امام بنانے والی تھی، مگر ان کی کم ظرفی اور پست خیالی نے اس نسخہ کیمیا کو لے کر دنیا کی متاع حقیر کمانے سے زیادہ بلند کسی چیز کا حوصلہ نہ کیا اور بجائے اس کے کہ دنیا میں عدل وراستی کے علمبردار اور خیر وصلاح کے رہنما بنتے، محض ابناء دنیا بن کر رہ گئے۔

وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا: اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری بخشش ہوجائے گی۔ یعنی گناہ کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ گناہ ہے مگر اس بھروسے پر اس کا ارتکاب کرتے ہیں کہ ہماری تو کسی نہ کسی طرح بخشش ہو ہی جائے گی کیونکہ ہم خدا کے چہیتے ہیں اور خواہ ہم کچھ ہی کریں بہر حال ہماری مغفرت ہونی ضروری ہے۔ اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ گناہ کرنے کے بعد وہ نہ شرمندہ ہوتے ہیں نہ توبہ کرتے ہیں بلکہ جب پھر ویسے ہی گناہ کا موقع سامنے آتا ہے تو پھر اس میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ: اور آخرت کا گھر متقی لوگوں کے لیے بہتر ہے۔ اس کا دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ خدا ترس لوگوں کے لیے تو آخرت کی قیام گاہ ہی بہتر ہے۔ پہلے ترجمہ کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ مغفرت کسی کا ذاتی یا خاندانی اجارہ نہیں ہے، یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ تم کام تو وہ کرو جو سزا دینے کے لائق ہوں مگر تمہیں آخرت میں جگہ مل جائے اچھی محض اس لیے کہ تم بزعم خود اپنے آپ کو جنت کا مستحق سمجھتے ہو۔ اگر تم میں کچھ بھی فہم وشعور موجود ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ آخرت میں اچھا مقام صرف انہی لوگوں کو مل سکتا جو دنیا میں نیکی، تقویٰ اور خدا ترسی کی روش پر چلیں۔

آیت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا تو صرف ان لوگوں کا کام ہے جو ناخدا ترس ہوں، خدا ترس لوگ تو لازماً دنیا کی مصلحتوں پر آخرت کی مصلحت کو اور دنیا کے عیش پر آخرت کی بھلائی کو ترجیح دیتے ہیں۔

اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں جاتا

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭاِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ۔(اعراف۔170)

اور جو لوگ کتاب اللہ کے پابند ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، یقیناً ایسے نیک کردار لوگوں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے۔

But those who hold fast to the Book [i.e., the Quran] and establish prayer – surely, We never discount the reward of those acting righteously. (7:170)

اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ علماء بنی اسرائیل میں سے بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے تورات کے احکام کو مضبوطی سے تھاما، اور ایمان کے ساتھ عمل کے بھی پابند ہوئے، اور نماز کو پورے آداب کے ساتھ قائم کیا، ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے، تو جن لوگوں نے ایمان و عمل کے دونوں فرائض ادا کرکے اپنی اصلاح کرلی ان کا اجر ضائع نہیں ہوسکتا۔

اس آیت کے چند نکات قابل غور ہیں: اوّل یہ کہ کتاب سے مراد اس میں وہی کتاب ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے یعنی تورات، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر آسمانی کتاب تورات، انجیل، قرآن سب اس سے مراد ہوں۔

دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو صرف اپنے پاس احتیاط اور تعظیم کے ساتھ رکھ لینے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے احکام کی پابندی مطلوب ہے۔ شاید اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اس آیت میں کتاب کے لینے یا پڑھنے کا ذکر نہیں، ورنہ یَاْخُذُوْنَ یا یقرءُونَ کا لفظ ہوتا۔ اس کی جگہ یُمَسِّکُوْنَ کا لفظ اختیار کیا گیا جس کے معنی ہیں مضبوطی کے ساتھ پوری طرح تھامنا یعنی اس کے احکام کی تعمیل کرنا۔

تیسری بات قابل غور یہ ہے کہ یہاں احکام تورات کی تعمیل اور پابندی کا ذکر تھا اور احکام تورات سینکڑوں ہیں، ان میں سے اس جگہ صرف اقامت صلوٰۃ کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ کتاب اللہ کے احکام میں سب سے زیادہ اہم اور افضل و اعلیٰ نماز ہے نیز یہ کہ نماز کی پابندی احکام الٰہیہ کی پابندی کی خاص نشانی اور علامت بھی ہے کہ اس کے ذریعہ فرمانبردار اور نافرمان کی پہچان ہوتی ہے اور اس کی پابندی میں یہ خاصیت بھی ہے کہ جو نماز کا پابند ہوگا اس کے لئے

دوسرے احکام خداوندی کی پابندی بھی آسان ہو جاتی ہے اور جس نے نماز کی پابندی نہ کی اس سے دوسرے احکام کی پابندی بھی نہ ہو سکے گی۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز دین کا ستون ہے جس پر اس کی عمارت کھڑی ہوئی ہے جس نے اس ستون کو قائم کر لیا اس نے دین کو قائم کر لیا اور جس نے اس کو منہدم کر دیا اس نے پورے دین کی عمارت منہدم کر دی۔ اسی لئے اس آیت میں وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ فرما کر یہ بتلا دیا کہ کتاب سے تمسک کرنے والا اور اس کی پابندی کرنے والا صرف اسی کو سمجھا جائے گا جو نماز کو اس کے آداب و شرائط کے ساتھ پابندی سے ادا کرے، اور جو نماز میں کوتاہی کرے وہ کتنے ہی وظائف پڑھے یا مجاہدے کرے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ نہیں اگرچہ وہ اپنے آپ کو بہت رجال دین میں شمار کرتا ہو۔

یہاں تک بنی اسرائیل کو ان کی عہد شکنی اور احکام تورات میں تحریف کرنے پر تنبیہ کا بیان تھا اس کے بعد دوسری آیت میں بنی اسرائیل ہی کے ایک خاص عہد کا ذکر ہے جس کا ذکر سورۃ بقرہ میں بھی آچکا ہے۔

رفع جبل کا واقعہ

پہاڑ کا سایہ

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (اعراف۔171)

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر سائبان کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا اور وہ گمان کر رہے تھے کہ وہ ان پر آپڑے گا اور اُس وقت ہم نے ان سے کہا تھا کہ جو کتاب ہم تمہیں دے رہے ہیں اسے مضبوطی کے ساتھ تھامو اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے یاد رکھو، توقع ہے کہ تم غلط روی سے بچے رہو گے۔

And ˹remember˺ when We raised the mountain over them as if it were a cloud and they thought it would fall on them.1 ˹We said,˺ "Hold firmly to that ˹Scripture˺ which We have given you and observe its teachings so perhaps you will become mindful ˹of Allah˺. (7:171)

The mountain was raised over their heads when Moses came to them with the teachings of the Torah and was met

with defiance. So, the mountain was raised as a miracle and a display of Allah's infinite power over them.

This awesome atmosphere was created by God at the time when He made the people enter into a covenant with Him. In order to impress upon them the gravity of the event and the supreme importance of the covenant. It should not be mistakenly assumed, however, that the people of that time were reluctant to make the covenant or were forced to enter into it. In fact, they were all believers and had gone to the Mount merely to make the covenant. The extraordinary conditions which God created were such as to make them realize that making a covenant with God was not an ordinary matter. They were rather made to feel that they were entering into a covenant with none other than Almighty God and that violating it could spell their disaster.

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس تورات لائے اور اس کے احکام ان کو سنائے، تو انہوں نے حسب عادت ان پر عمل کرنے سے انکار و اعراض کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ کو بلند کر دیا جس سے اللہ کی قدرت کا یقین ان کے اندر پیدا ہوا اور انہوں تورات پر عمل کرنے کا عہد کیا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ رفع جبل کے وقت انہوں نے انوکھا سجدہ کیا تھا۔ جب پہاڑ کو ان کے اوپر معلق کیا گیا تو اسی وقت یہ سب سجدے میں گر پڑے لیکن بائیں آنکھ سجدے میں تھی اور دائیں آنکھ سے اوپر دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ گر نہ پڑے۔ چنانچہ بعد میں ان میں سجدے کا یہی طریقہ رواج پا گیا کیونکہ ان کے فہم کے مطابق اسی طرح کے سجدے نے ان سے عذاب الٰہی کو دور کر دیا تھا۔(بحوالہ ابن کثیرؒ)

بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ رفع جبل کا یہ واقعہ ان کے اپنے مطالبے پر پیش آیا تھا، جب انہوں نے کہا کہ ہم تورات پر عمل اس وقت کریں گے جب اللہ تعالیٰ پہاڑ کو ہمارے اوپر بلند کریں تا کہ وہ ہمارے لئے سایہ یا سائباں کا کام کرے تب ہمیں یقین آئے گا کہ یہ واقعی اللہ کا حکم ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن کریم کا عام حکم تو یہ ہے کہ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ یعنی دین میں جبر و اکراہ نہیں یعنی کسی کو زبردستی دین حق کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ مگر اس واقع رفع جبل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو دین

کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات درست ہے کہ کسی غیر مسلم کو اسلام کے قبول کرنے پر کبھی کہیں مجبور نہیں کیا جاسکتا مگر جو شخص مسلمان ہو کر اسلامی عہد و میثاق کا پابند ہو جائے اس کے بعد وہ اگر احکام اسلام کی خلاف ورزی کرنے لگے تو اس خلاف ورزی پر اس سے باز پرس کی جاسکتی ہے۔ اسلامی تعزیرات مسلمانوں کیلئے مقرر کی گئیں ہیں غیر مسلموں کیلئے نہیں۔ لہٰذا بعض مفسرین کے نزدیک لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کا تعلق صرف غیر مسلموں سے ہے یعنی کسی کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاسکتا۔ بنی اسرائیل کے اس واقعہ میں کسی کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان لوگوں نے مسلمان ہونے کے باوجود احکام تورات کی پابندی سے انکار کر دیا تھا اس لئے یہ عمل اسلامی اصول لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کے خلاف نہیں۔

بارھواں رکوع: وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ۔۔۔ (اعراف۔172)

رکوع کے تفسیری موضوعات

عہد الست اور عہد ازل کا تذکرہ (الست بربّکم)، ہر انسان کے تحت شعور میں ایمان موجود ہے، مفصّل آیات اور رجوع الی اللہ، دین حق کی طرف مراجعت، ہدایت کے بعد گمراہی، بلعم بن باعورہ، مخصوص سوقیانہ کردار کی نشاندہی، لالچی اور خود غرض کردار کی مذمت، اصل ہدایت (رہنمائی) اللہ کی ہدایت، اللہ کی نعمتوں سے عدم انتفاع، سنی ان سنی کرنا، دیکھی ان دیکھی کرنا، عقل و فکر سے عاری لوگ (لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم آذان لا يسمعون بها) جہنم کے مستحق لوگ، اسماء الحسنیٰ: اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام (ولله الاسماء الحسنٰى فادعوه بها)، ہدایت یافتہ لوگ، عدل و انصاف اور شہادت حق۔

عہد الست اور عہد ازل کا تذکرہ

ہر انسان کے تحت شعور میں ایمان موجود ہے

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۗ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ۔ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ (اعراف۔172۔173)

اور (اے نبی! لوگوں کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ) جب تمہارے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل کو پیدا کیا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا "کیوں نہیں، آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں"۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔ یا یہ نہ کہنے لگو کہ "شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد کو ان کی نسل سے پیدا ہوئے، پھر کیا آپ ہمیں اُس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا۔

Presence of Faith in everyone's subconsciousness!

And ˹remember˺ when your Lord brought forth from the loins of the children of Adam their descendants and had them testify regarding themselves. ˹Allah asked˺ "Am I not your Lord?" They replied, "Yes, You are! We testify." ˹He cautioned˺ "Now you have no right to say on Judgment Day, 'We were not aware of this. Nor say, 'It was our forefathers who had associated others ˹with Allah in worship˺ and we, as their descendants, followed in their footsteps. And would You destroy us for the falsehood they invented?" (7:172,173)

اس آیت میں عام انسانوں کی طرف خطاب کر کے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تم سب اپنے خالق کے ساتھ ایک میثاق میں بندھے ہوئے ہو اور تمہیں ایک روز جواب دہی کرنی ہے کہ تم نے اس میثاق کی کہاں تک پابندی کی۔ اس کو اصطلاح میں **عہد الست** یا **عہد ازل** کہا جاتا ہے۔ یہ عہد الست حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ہونے والی تمام اولاد سے لیا گیا تھا۔ اللہ کی ربوبیت کی یہ گواہی ہر انسان کی فطرت میں ودیعت ہے۔ دوسرے الفاظ میں اللہ پر ایمان کا اثبات ہر انسان کے **جینز** اور اس کے **تحت شعور** میں موجود ہے چاہے عملی زندگی میں شعوری طور پر وہ اس کو قبول کر کے اس کا اظہار کرے یا نہ کرے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق دنیا کے عام انسان دین فطرت یعنی دین اسلام پر پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں شرک و کفر کا شائبہ تک نہیں ہوتا لیکن بعد کا **ماحول**، والدین، رشتہ دار، دوست، دوسرے لوگ اور دوسرے عوامل انہیں فطری دین سے دور رکھتے ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث قدسی سے بھی ہوتی ہے۔

حدیث قدسی: صحیح مسلم کی روایت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بندوں کو حنیف (اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونے والا) پیدا کیا ہے۔ پس شیطان ان کو ان کے دین (فطرت) سے گمراہ کر دیتا ہے۔ (مسلم)

حدیث: اسی مفہوم کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ: كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه وينصرانه۔۔۔ ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ فطرت یا دین فطرت یہی رب کی توحید اور اس کا نازل کردہ دین اسلام ہے جس کی تعلیمات قرآن و سنّت کی صورت میں محفوظ اور موجود ہیں۔

فطرت اسلام پر پیدا ہونے کی علماء نے یہ تشریح کی ہے کہ جس وقت اللہ رب العالمین اپنی مخلوق سے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا عہد لیا تھا تو اس وقت سب نے اس عہد اور اس کی وحدانیت کا اقرار کیا تھا اس لیے ہر بچہ کی پیدائش اسی اقرار پر ہوتی ہے اور اللہ پر ایمان اس کے تحت شعور میں شروع سے ہی موجود ہوتا ہے۔

نومولود بچہ کے کان میں آذان و تکبیر کہنے کی جو سنّت ہر مسلمان جانتا ہے اور الحمد اللہ پورے عالم اسلام میں جاری ہے، اگرچہ بچہ نہ کلمات کے معنی سمجھتا ہے نہ اس کو بڑا ہونے کے بعد یاد رہتا ہے کہ میرے کان میں کیا الفاظ کہے گئے تھے، اس کی حکمت یہی تو ہے کہ اس کے ذریعہ اس اقرار ازلی کو قوت پہنچا کر کانوں کی راہ سے دل میں ایمان کی تخم ریزی کی جاتی ہے، اور اسی کا یہ اثر مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ بڑا ہونے کے بعد اگرچہ یہ اسلام سے کتنا ہی دور ہو جائے مگر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ قرآن کی زبان نہیں جانتے ان کو بھی تلاوت قرآن کی ہدایت شاید اسی حکمت پر مبنی ہے کہ اس سے بھی کم از کم یہ فائدہ ضرور پہنچ جاتا ہے کہ انسان کے قلب میں نور ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

اس عہد الست کو بعض لوگ محض تمثیلی انداز بیان پر محمول کرتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ دراصل یہاں قرآن مجید صرف یہ بات ذہن نشین کرنا چاہتا ہے کہ اللہ کی ربوبیت کا اقرار انسانی فطرت میں پیوست ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک تمثیل نہیں بلکہ فی الواقع ایسا ہوا۔ قرآن مجید نے بھی اس کو بطور حقیقت بیان کیا ہے نہ کہ بطور تمثیل۔ عہد الست کے اس اجتماع کو اگر کوئی شخص خارج از امکان سمجھتا ہے تو یہ محض اس کے دائرہ فکر کی تنگی کا نتیجہ ہے۔ کن فیکون کی مالک ہستی اللہ تعالیٰ کیلئے ایسا کرنا ہرگز نا ممکن نہیں۔ وما ذلك على الله بعزيز

مفصل آیات اور رجوع الی اللہ

دین حق کی طرف مراجعت

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (اعراف-174)

اور اسی طرح ہم اپنی آیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ (دین حق کی طرف) رجوع کریں۔

Returning to the Truth!

This is how We make our signs clear, so perhaps they will return ˹to the Right Path˺. (7:174)

‘Signs’ here refer to the imprints made by knowledge of the truth in human subconsciousness which help towards cognition of the truth.

‘To return’ here signifies giving up rebellion and reverting to obedience to God.

ہدایت کے بعد گمراہی

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۔ (اعراف-175)

(اور اے محمدؐ)، اِن کے سامنے اُس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ ان کی پابندی سے نکل گیا۔ آخر کار شیطان نے اس کا پیچھا پکڑ لیا تو وہ گمراہوں میں شامل ہو گیا۔

And relate to them ˹O Prophet˺ the story of the one to whom We gave Our signs, but he abandoned them, so Satan took hold of him, and he became a deviant. (7:175)

Bal’am ibn Ba’ûrâ' was a scholar who lived at the time of Prophet Moses but later deviated from the truth and become the follower of Satan.

آیت کے الفاظ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ضرور کوئی متعین شخص ہوگا جس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول کی یہ انتہائی اخلاقی بلندی ہے کہ وہ جب کبھی کسی کی برائی کو مثال میں پیش کرتے ہیں تو بالعموم اس کے نام کی تصریح نہیں کرتے بلکہ اس کی شخصیت پر پردہ ڈال کر صرف اس کی بری مثال کا ذکر کر دیتے ہیں تاکہ اس کی رسوائی کیے بغیر

اصل مقصد حاصل ہو جائے۔ اسی لیے نہ قرآن میں بتایا گیا ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں کہ وہ شخص جس کی مثال یہاں پیش کی گئی ہے، کون تھا۔

بعض مفسرینؒ نے اس آیت سے کوئی خاص شخص مراد لیا ہے جسے کتاب الٰہی کا علم حاصل تھا لیکن پھر وہ دنیا اور شیطان کے پیچھے لگ کر گمراہ ہو گیا۔ اس کا نام بلعم بن باعورا یا امیہ بن ابی صلت یا صیفی بن راہب تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا، اس کی دعا مقبول ہو جایا کرتی تھی۔ بنی اسرائیل سختیوں کے وقت اسے آگے کر دیا کرتے تھے۔ اسے حضرت موسیٰؑ نے مدین کے بادشاہ کی طرف اللہ کے دین کی دعوت دینے کیلئے بھیجا تھا مگر اس چالاک بادشاہ نے انعام و اکرام یا مکر و فریب سے اسے اپنے لوگوں میں شامل کر لیا۔ یہ بدنصیب شخص دین موسویؑ کو چھوڑ کر اس کے مذہب میں شامل ہو گیا تھا۔ یہ آیت ایسے شخص کے سوقیانہ کردار کے بارے میں متنبہ کرنے کیلئے نازل ہوئی۔ اس شخص کی تعیین کے بارے میں اور بھی کئی تاریخی روایات مفسرین نے نقل کی ہیں مگر ان کی کوئی سند موجود نہیں۔

دوسرے مفسرین کے نزدیک یہ آیت عام ہے کیونکہ آیت میں مذکورہ شخص کی تعیین میں کوئی مستند روایت موجود نہیں لہٰذا یہ آیت عمومی ہدایت پر مشتمل ہے جس کا مقصد ایک مخصوص کردار سے آگاہی پیدا کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خاص شخص تو پردہ میں ہے جو اس تمثیل میں پیش نظر تھا، البتہ یہ تمثیل ہر اس شخص پر چسپاں ہوتی ہے جس میں یہ صفت پائی جاتی ہو۔ اور ایسے افراد ہر امت اور ہر دور میں موجود رہے ہیں، جنہوں نے دنیاوی مفاد کی خاطر اپنے دین کو بیچ دیا یا ضائع کر دیا۔ اسی کو حدیث کے الفاظ میں یبیع دینہ بعرض من الدنیا کہا گیا یعنی وہ اپنا دین بیچ کر دنیا خرید لے گا۔ لہٰذا جو شخص بھی اس طرز عمل کا حامل ہو گا وہ اس آیت کا مصداق قرار پائے گا۔ اعاذنا اللہ منہ

آیت کا سبق

آیت اور اس میں بیان کئے ہوئے واقعہ میں اہل علم کے لئے بہت بڑا سبق اور نصیحت ہے:

اول یہ کہ کسی شخص کو اپنے علم و فضل اور زہد و عبادت پر غرور و تکبر نہیں کرنا چاہئے، حالات بدلتے اور بگڑتے ہوئے دیر نہیں لگتی، جیسے بلعم بن باعوراء کا حشر ہوا۔ لہٰذا اطاعت و عبادت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر اور استقامت کی دعا اور کرتے رہنی چاہئے۔

دوسرے یہ کہ ایسی جگہوں سے بھی آدمی کو پرہیز کرنا چاہئے جہاں اس کو اپنے دین کی خرابی کا اندیشہ ہو، خصوصاً مال اور اہل و عیال کی محبت میں اس چیز کا خیال رکھنا چاہئے۔

تیسرے یہ کہ مفسد اور گمراہ لوگوں کے ساتھ تعلقات اور ان کا ہدیہ یا دعوت وغیرہ قبول کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے، بلعم بن باعورہ اس آزمائش میں ہدیہ قبول کرنے کے سبب مبتلا ہوا تھا۔

چوتھے یہ کہ بے حیائی اور بدکاری پوری قوم کے لئے تباہی اور بربادی کا سامان ہوتی ہے، جو قوم اپنے آپ کو بلاؤں اور آفتوں سے محفوظ رکھنا چاہے اس پر لازم ہے کہ اپنی قوم کو بے حیائی کے کاموں سے پورے اہتمام کے ساتھ روکے ورنہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔

پانچویں یہ کہ آیات الٰہیہ کی خلاف ورزی خود بھی ایک عذاب ہے اور اس کی وجہ سے شیطان اس پر غالب آکر ہزاروں خرابیوں میں بھی مبتلا کر دیتا ہے، اس لئے جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم دین عطا کیا ہو اس کو چاہیئے کہ اس کی قدر کرے اور اصلاح عمل کی فکر سے کسی وقت فارغ نہ ہو۔

لالچی اور خود غرض کردار کی مذمت

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (اعراف۔176)

اور اگر ہم چاہتے تو ان آیات کی برکت سے اس کا رتبہ بلند کر دیتے لیکن وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہشات نفس کے تابع ہو گیا۔ لہٰذا اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ تم اس پر حملہ کرو تب بھی زبان لٹکائے رہے اور اسے چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رہے یہی مثال ہے اُن لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں تم یہ حکایات اِن کو سناتے رہو، شاید کہ یہ کچھ غور و فکر کریں۔

Selfish Character

If We had willed, We would have elevated him with Our signs, but he clung to this life—following his evil desires. His example is that of a dog: if you chase it away, it pants, and if you leave it, it ˹still˺ pants. This is the example of the people who deny Our signs. So narrate ˹to them˺ stories ˹of the past˺, so perhaps they will reflect. (7:176)

لَهَث کا مطلب ہے ہانپنا، رال ٹپکاتے ہوئے زبان باہر نکالنا۔ یہاں ایک لالچی اور خود غرض کردار کی مثال بیان کی جارہی ہے۔ بعض کتوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر حالت میں اور ہر کسی پر بھونکنے سے باز نہیں آتے۔ اسی طرح ان کی یہ بھی عادت ہوتی ہے کہ وہ شکم سیر ہوں یا بھوکے، تندرست ہو یا بیمار، ہر حال میں زبان باہر نکالے ہانپتے رہتے ہیں اور رال ٹپکاتے رہتے ہیں۔ یہی حال انسانوں میں سے بھی بعض لوگوں کا ہوتا ہے۔ ہر وقت بدزبانی کرتے رہتے ہیں۔ حلال و حرام کی تمیز کے بغیر سب کچھ سمیٹنے کے چکر میں رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر وعظ و نصیحت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ دنیا کے مال و متاع کے لئے ان کی رال ٹپکتی رہتی ہے۔۔ یہ آیت اس قسم کے لوگوں کے سوقیانہ کردار کے بارے میں متنبہ کرنے کیلئے نازل ہوئی۔ مفسرین کے نزدیک یہ آیت عام ہے کیونکہ آیت میں مذکورہ شخص کی تعیین میں کوئی مستند روایت موجود نہیں لہٰذا یہ آیت عمومی ہدایت پر مشتمل ہے جس کا مقصد ایک مخصوص کردار سے آگاہی پیدا کرنا ہے۔ اور ایسے افراد ہر امت اور ہر دور میں موجود رہے ہیں اس آیت کا مدعا اور مقصد ایک مخصوص کردار سے آگاہی پیدا کرنا ہے۔ کوشش کرنی چاہئے کہ اس طرح کی کوئی گھٹیا عادت اور اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہمارے اندر پیدا نہ ہو۔

اصل ہدایت (رہنمائی) اللہ کی ہدایت

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (اعراف۔178)

جسے اللہ ہدایت بخشے بس وہی راہ راست پاتا ہے اور جس کو اللہ اپنی رہنمائی سے محروم کردے وہی ناکام و نامراد ہو کر رہتا ہے۔

Whoever Allah guides – he is the [rightly] guided; and whoever He sends astray – it is those who are the losers. (7:178)

یہ مضمون قرآن مجید کی بہت سی آیات میں بار بار آیا ہے، جس میں بتلایا گیا ہے کہ ہدایت اور گمراہی اور ہر خیر و شر، اچھے برے کا خالق صرف اللہ جل شانہ ہے، انسان کے سامنے اچھے برے، صحیح غلط دونوں راستے کر دیئے گئے ہیں اور اس کو ایک خاص قسم کا اختیار دیا گیا ہے وہ اپنے اس اختیار کو اگر اچھے اور صحیح راستہ میں خرچ کرتا ہے تو ثواب اور جنت کا مستحق ہوتا ہے، برے اور غلط راستے میں لگاتا ہے تو عذاب اور جہنم میں ٹھکانا ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہدایت پانے والے کو بصیغہ مفرد ذکر کیا گیا اور گمراہی اختیار کرنے والوں کو بصیغہ جمع، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ہدایت کا راستہ صرف ایک ہی دین حق ہے جو آدمؑ سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء ﷺ تک

سب انبیاءؑ کا طریق رہا ہے، اصول سب کے مشترک اور ایک ہیں، اس لئے حق کی پیروی کرنے والے خواہ کسی زمانہ میں اور کسی نبی کی امت میں اور کسی دین ومذہب سے متعلق ہوں وہ سب ایک ہیں۔ جبکہ گمراہی کے ہزاروں راستے ہیں۔ اس لئے گمراہوں کیلئے جمع کا صیغہ لایا گیا: فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ فرمایا گیا۔

اس آیت میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ گمراہی اختیار کرنے والوں کی سزا اور انجام بد کا ذکر کیا گیا کہ وہ لوگ خسارہ میں پڑنے والے ہیں، اس کے بالمقابل ہدایت یافتہ حضرات کی کسی خاص جزاء کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ہدایت ایسی عظیم الشان نعمت ہے جو دین ودنیا کی ساری نعمتوں اور رحمتوں پر حاوی ہے، دنیا میں حیات طیبہ اور آخرت میں جنت کی لازوال نعمتیں سب ہدایت ہی کے ساتھ وابستہ ہیں، اس لحاظ سے ہدایت خود ایک بھاری نعمت اور بہت بڑا انعام ہے جس کے بعد ان نعمتوں کے شمار کرنے کی ضرورت نہیں رہتی جو ہدایت کے صلہ میں ملنے والی ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کوئی بڑی حکومت وسلطنت کا مالک کسی شخص کو یہ کہہ دے کہ تم ہمارے مقرب ہو ہم تمہاری بات سنیں اور مانیں گے تو ہر جاننے والا جانتا ہے کہ اس سے بڑا کوئی عہدہ ومنصب یا کوئی دولت اس کے لئے نہیں ہو سکتی۔

حدیث: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حاجت کا خطبہ ان الفاظ میں سکھایا:

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں ہم اس کی حمد وثناء بیان کرتے ہیں۔ اور اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں۔ ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بھی۔ اللہ کے راہ دکھائے ہوئے کو کوئی بہکا نہیں سکتا اور اس کے گمراہ کئے ہوئے کو کوئی راہ راست پر لا نہیں سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود صرف اللہ ہی ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میری گواہی ہے کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (بروایت عبداللہ مسعود۔ مسند احمد)

خطبہ خطاب کو کہتے ہیں۔ خطبہ سے یہاں مراد وہ دعائیں ہیں جن کے ذریعے سے بندہ اپنے رب سے مخاطب ہوتا ہے۔ خطبہ حاجت سے مراد وہ کلمات ہیں جو رسول اللہ ﷺ ہر اہم موقع پر خطاب فرماتے وقت ابتدا میں ارشاد فرماتے تھے۔ جمعہ کے خطبے میں بھی یہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں۔

اللہ کی نعمتوں سے عدم انتفاع

سنی ان سنی کرنا، دیکھی ان دیکھی کرنا

عقل و فکر سے عاری لوگ

جہنّم کے مستحق لوگ

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖلَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖوَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖوَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۗاُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۗاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ (اعراف۔179)

اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے (یعنی ان کی بداعمالیوں کے سبب ان کا انجام کار دوزخ ہوگا)۔ ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

People without faculties and true understanding!

Indeed, We have destined many jinn and humans for Hell. They have hearts they do not understand with, eyes they do not see with, and ears they do not hear with. They are like livestock (social animals). In fact, they are even less guided! Such ˹people˺ are ˹entirely˺ heedless. (7:179)

This does not mean that God has created some people for the specific purpose of fuelling Hell. What it does mean is that even though God has bestowed upon men faculties of observation, hearing and reasoning, some people do not use them properly. Thus, because of their own failings, they end up in Hell.

اس آیت کے ابتدائی الفاظ کا اشارہ تقدیر کی طرف ہے۔ فرمایا گیا کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے (یعنی ان کی بداعمالیوں کے سبب ان کا انجام کار دوزخ ہوگا)۔ مطلب یہ ہے کہ ہر انسان اور جن کی بابت اللہ کو علم تھا کہ وہ دنیا میں جا کر اچھے یا برے کیا عمل کرے گا، اس کے مطابق اس نے تقدیر کو لکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق فرما رہے ہیں کہ بہت سارے لوگ اپنی بداعمالیوں کے سبب دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

دنیا میں بھی عموماً کسی قانون کو بنا کر پہلے ہی سزاء کا اعلان کر دیا جاتا ہے کہ اس قانون کے توڑنے والوں کو یہ سزا ملے گی۔ چاہے اس اعلان کے وقت یا بعد میں ایک شخص نے بھی اس قانون کی خلاف ورزی نہ کی ہو۔

آیت کے اگلے حصّے میں اسی نکتے کی مزید وضاحت بیان کر کے بتا دیا گیا ہے کہ جن لوگوں کے اندر یہ چیزیں اس انداز میں ہوں جن کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، تو سمجھ لو کہ ان کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا: یعنی ان کے پاس دل (دماغ) ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں، ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ اعضاء انسان کو اس لئے دیے ہیں کہ انسان ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے رب کی معرفت حاصل کرے، اللہ کی آیات کا مشاہدہ کرے اور حق کی بات کو غور سے سنے۔ لیکن جو شخص ان مشاعر سے یہ کام نہیں لیتا وہ گویا ان سے عدم انتفاع (فائدہ نہ اٹھانے) میں غیر ذوی العقول کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ گیا گذرا ہے۔ اس لیے کہ چوپایے تو پھر بھی اپنے نفع و نقصان کا کچھ شعور رکھتے ہیں اور نفع والی چیزوں سے نفع اٹھاتے اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچ کر رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اعراض کرنی والے شخص کے اندر تو یہ تمیز کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے کہ اس کے لیے اصل مفید چیز کون سی ہے اور اصل مضر کون سی؟ اسی لیے آیت کے آخر میں انہیں غافل بے فکر لوگ بھی کہا گیا ہے: أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اسماء الحسنیٰ: اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (اعراف۔180)

اللہ تعالیٰ اچھے ناموں کا مستحق ہے، اس کو اچھے ہی ناموں سے پکارو اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے نام رکھنے میں کجروی سے کام لیتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اس کا بدلہ وہ پا کر رہیں گے۔

Allah has the most excellent names!

Allah has the Most Beautiful Names. So, call upon Him by them, and keep away from those who abuse His Names. They will be recompensed for what they used to do. (7:180)

The name of a thing reflects how it is conceptualized. Hence, inappropriate concepts are reflected in inappropriate names, and vice versa. If a man is mistaken about God, he will choose false words for God. And the falsity of concepts about God affects man's whole ethical attitude. It is for this reason that the Qur'an asks man to shun profanity in naming God. Only the most beautiful names befit God, and hence man should invoke Him by them.

The 'most excellent names' should be used for God to express His greatness and paramountcy, holiness, purity, and the perfection and absoluteness of all His attributes. Choosing names which are below His majestic dignity, and which are inconsistent with the reverence due to Him; names which ascribe evil or defect to God or reflect false notions about Him.

انسان اپنی زبان میں اشیاء کے جو نام رکھتا ہے وہ دراصل اس تصوّر پر مبنی ہوتے ہیں جو اس کے ذہن میں ان اشیاء کے متعلق ہوا کرتا ہے۔ تصوّر کا نقص نام کے نقص کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور نام کا نقص تصوّر کے نقص پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ کے لیے نام تجویز کرنے میں انسان جو غلطی بھی کرتا ہے وہ دراصل اللہ کی ذات وصفات کے متعلق اس کے عقیدے کی غلطی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام رکھنے میں غلطی کرنے سے بچو، اللہ کے لیے اچھے نام ہی موزوں ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى: اللہ تعالیٰ اچھے ناموں کا مستحق ہے۔ اللہ کے اچھے ناموں سے مراد اللہ کے وہ نام ہیں جن سے اس کی مختلف صفات، اس کی عظمت وجلالت اور اس کی قدرت وطاقت کا اظہار ہوتا ہے، صحیحین کی حدیث میں انکی تعداد 99 بتائی گئی ہے۔ فرمایا کہ جو ان کا احاطہ کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

جمہور علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کی تعداد لامحدود ہے۔

حدیث: ایک حدیث مبارکہ کے اندر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جسے کبھی بھی کوئی رنج و غم پہنچے اور وہ ان الفاظ میں دعا کرے: اللھم انی عبدک ابن عبدک ابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضاوک اسالک بکل اسم ھولک سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احد امن خقک اواستاثرت بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القران العظیم ربیع قلبی ونور صدری و جلاء حزنی و ذھاب ہمی۔ جو بندہ بھی ان الفاظ کے ساتھ دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی تکالیف اور غموں کو دور کر فرمائے گا اور اس کی جگہ اسے راحت وخوشیاں عطا فرمائے گا۔ آپؐ سے سوال کیا گیا کہ پھر کیا ہم اس دعا کو دوسروں کو بھی سکھائیں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں بیشک جو اسے سنے اسے چاہئے کہ دوسروں کو بھی سکھائے۔(مسند احمد)

فَادْعُوْهُ بِهَا: اللہ کو اچھے ناموں سے پکارو۔ پکارنا یا بلانا دعا کا ترجمہ ہے، اور **دعا** کا لفظ قرآن میں **دو معنی** کے لئے استعمال ہوتا ہے، ایک اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی حمد وثنا، تسبیح و تمجید کے ساتھ، دوسرے حاجات ومشکلات کے وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرنا اور مصائب وآفات سے نجات اور مشکلات کی آسانی کی درخواست کرنا، اس آیت میں فَادْعُوْهُ بِهَا کا لفظ دونوں معنی کو شامل ہے تو معنی آیت کے یہ ہوئے کہ **حمد وثناء** اور تسبیح کے لائق بھی صرف اسی کی ذات پاک ہے اور مشکلات و مصائب سے نجات اور حاجت روائی بھی صرف اسی کے اختیار میں ہے، اس لئے حمد وثنا کرو تو اسی کی کرو اور حاجت روائی، مشکل کشائی کے لئے **دعا** کرو تو اسی سے کرو۔

يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآىِٕهٖ: الحاد کے معنی ہیں کسی ایک طرف مائل ہونا، اعتدال کی راہ سے ہٹ جانا، صراط مستقیم سے منہ موڑ لینا۔ دین میں الحاد اختیار کرنے کا مطلب کج روی اور گمراہی اختیار کرنا ہے۔ اسی لفظ سے لحد ہے جو اس قبر کو کہا جاتا ہے جو زمین کے اندر ٹیڑھی کرکے بنائی جاتی ہے جسے **لحدی قبر** یا بغلی قبر کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں تبدیلی، کج روی یا الحاد کی تین صورتیں ہیں:

1: اللہ تعالیٰ کے ناموں میں تبدیلی کردی جائے۔ اللہ کے نام پر کسی بت کا نام رکھ لیا جائے جیسے مشرکین نے کیا تھا مثلاً اللہ کے نام سے اپنے ایک بت کا نام لات اور اس کے صفاتی ناموں **عزیز** سے **عُزّٰی** بنالیا تھا۔

2: یا اللہ کے ناموں میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کرلینا جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا۔

3: یا اس کے ناموں میں کمی کردی جائے مثلاً اسے ایک ہی مخصوص نام سے پکارا جائے اور دوسرے صفاتی ناموں سے پکارنے کو برا سمجھا جائے(فتح القدیر)

اللہ تعالیٰ کے مخصوص ناموں کو غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا اگر کسی غلط عقیدہ کی بناء پر ہے کہ اس کو ہی خالق یا رازق سمجھ کر ان الفاظ سے خطاب کر رہا ہے تب تو ایسا کہنا عقیدہ توحید کے منافی ہے۔ اور اگر عقیدہ غلط نہیں مگر جہالت سے کہہ دیا تو یہ بھی گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کا تقدّس برقرار رکھنا چاہیئے۔

ہدایت یافتہ لوگ

عدل وانصاف اور شہادت حق

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ۔ (الاعراف۔181)

اور ہماری مخلوقات میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو حق بات کی ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل پر مبنی فیصلے کرتے ہیں۔

And there is a community among our creation who guide by truth and thereby establish justice. (7:181)

یعنی بعض لوگ عدل وانصاف پر قائم رہتے ہیں۔ حق اور سچائی کی بات ہی زبان سے نکالتے ہیں، حق اور صحیح کام ہی کرتے ہیں، حق کی طرف ہی اوروں کو بلاتے ہیں، حق وانصاف کے ساتھ ہی فیصلے کرتے ہیں۔

بعض آثار میں مروی ہے کہ اس آیت سے مراد امت مسلمہ ہے۔ یعنی عدل وانصاف اور شہادت حق امّت مسلمہ کا بنیادی وصف ہے جو اسے باقی امتوں سے ممتاز کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب اس آیت کی تلاوت فرماتے تو فرماتے کہ یہ تمہارے لئے ہے تم سے پہلے یہ وصف قوم موسیٰ کا تھا۔ (بحوالہ ابن کثیرؒ)

اس آیت میں دو صفات کو بیان کیا گیا: ایک یہ کہ دوسرے لوگوں کی قیادت اور رہنمائی یا نصیحت میں شریعت کا اتباع کریں۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی جھگڑا آپس میں پیش آجائے تو اس کا فیصلہ عدل وانصاف کے مطابق کریں۔ غور کیا جائے تو یہی صفات ہیں جو کسی قوم اور جماعت کی خیر وخوبی اور فلاح دنیا وآخرت کی ضامن ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ ہر حالت میں دین کے راستے پر چلا جائے اور دوسرا صلح وجنگ اور دوستی اور عداوت ہر حالت میں عدل وانصاف کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

جب سے ہمارے اندر ان دو صفات کی کمی آئی ہے اسی وقت سے امت مسلمہ کا زوال شروع ہو گیا۔

نہایت رنج وافسوس کا مقام ہے کہ آج کی سیاسی پارٹیاں اور جماعتیں ذاتی مقاصد، نفسانی اغراض اور دنیا کی حقیر وذلیل منفعت کی بنیادوں پر بنتی ہیں، ایک دوسرے کو جن امور کی پابندی کی طرف دعوت دی جاتی ہے وہ بھی خالص ہوائے نفس یا ثقافتی

رسوم ہوتی ہیں۔اسی طرح باہمی جھگڑوں اور نزاعی مقدمات میں دنیا کے چند روزہ موہوم نفع کی خاطر اللہ کے قانون کو چھوڑ کر دیا جاتا ہے۔اسی کا یہ انجام بد ہے جو ہر جگہ ہر ملک میں مشاہدہ میں آرہا ہے کہ یہ امت ہر جگہ ذلیل وخوار نظر آتی ہے(الاماشاء اللہ)۔

تیرہواں رکوع: وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ۔۔۔ (اعراف۔182)

رکوع کے تفسیری موضوعات

استکبار کا نتیجہ: بتدریج تباہی، مہلت عمل: اللہ کی رسی دراز ہے، سامان تعیش کی کثرت عتاب الٰہی بھی ہے، استدراج وامہال، نبی اکرمؐ کی نبوت ورسالت پر بیرونی قوتیں اثر انداز نہیں ہوسکتیں، شیطانی ملاوٹ نہیں ہوسکتی، صداقت رسالت پر اللہ کی گواہی، تخلیق کائنات پر غوروفکر، ان کا وقت اجل قریب ہے(قد اقترب اجلھم)، قیامت کا علم، قیامت کب اور کس وقت(انّما علمھا عند ربّی)، علامات قیامت: احادیث کی روشنی میں، پوشیدہ امور یعنی علم غیب کی مالک ہستی صرف اللہ تعالیٰ ہے(لا املک لنفسی نفعاً و لاضراً الاّ ماشاء اللہ)۔

استکبار کا نتیجہ: بتدریج تباہی

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (اعراف۔182)

اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج (گرفت میں) لیں گے اس طرح کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی۔

As for those who deny Our signs (lessons), We will gradually ruin them in ways they cannot comprehend. (7:182)

مہلت عمل: اللہ کی رسّی دراز ہے

سامان تعیش کی کثرت عتاب الٰہی بھی ہے

یعنی بعض دفعہ لوگوں کو روزی میں کشادی دی جاتی ہے، معاش کی آسانیاں ملتی ہیں جس کے نتیجے میں وہ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں اور حقانیت کو بھول جاتے ہیں اور اللہ کی آیات اور تذکیر کو بھول کر خواب غفلت میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی ناگہانی پکڑ میں آجاتے ہیں۔

استدراج وامہال

وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ۔ (اعراف۔183)

میں ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر کا کوئی توڑ نہیں ہے۔

And I will give them time. Indeed, my scheme is strong (and unfailing). (7:183)

یہ وہی استدراج وامہال ہے جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ افراد اور قوموں کو دیتا ہے۔ پھر جب اس کی مشیّت مواخذہ کرنے کی ہوتی ہے تو کوئی ان کو بچانے پر قادر نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کی تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت پر بیرونی قوتیں اثر انداز نہیں ہوسکتیں

صداقت رسالت پر اللہ کی گواہی

اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔ (اعراف۔184)

اور کیا اِن لوگوں نے کبھی غور وفکر نہیں کیا کہ اِن کے رفیق (یعنی نبی اکرم ﷺ) پر جنون کا کوئی اثر نہیں ہے وہ تو ایک متنبہ کرنے والا ہے جو (برا انجام سامنے آنے سے پہلے) صاف صاف متنبہ کر رہا ہے۔

Do they not reflect? Their fellow man (i.e. Prophet Muhamad) is not insane. He is only sent with a clear warning. (7:184)

The word ‘companion’ here refers to the Prophet (peace be on him) who was born, brought up, grew into youth, in short, spent his whole life including his old age in their midst. Before the advent of his prophethood, Muhammad (peace be on him) was known to all the people of Makkah as good natured and of sound mind. However, as he started calling people to accept the Message of God, they immediately dubbed him insane.

The Qur’an, therefore, asks them to give serious thought to the teachings of the Prophet (peace be on him) and to see if there is anything that is inconsistent with sanity, or is meaningless and irrational. Had people reflected on the order of the universe, or carefully considered even one single creation of God, they would have been convinced of the truth of the teachings of the Prophet (peace be on him). They would have realized that whatever he said to refute polytheism, or to establish God’s unity or the accountability of man in the Hereafter, or about the necessity of man’s surrender to God, was corroborated by the entire order of the universe and every single atom of God’s creation.

صَاحِب سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے جن کی بابت مشرکین کبھی ساحر اور کبھی مجنون (نعوذ باللہ) کہتے تھے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ تمہارے عدم تفکر کا نتیجہ ہے وہ تو تمہارا پیغمبر ہے جو ہمارے احکام پہنچانے والا اور ان سے غفلت اور اعراض کرنے والوں کو متنبہ کرنے والا ہے۔

شان نزول: حضور ﷺ نے ایک مرتبہ صفا پہاڑ پر چڑھ کر اہل مکہ کے ایک ایک خاندان یا قبیلے کا الگ الگ نام لے کر انہیں اللہ کے عذاب سے متنبہ فرمایا۔ آپؐ کی بار بار تذکیر پر مخاطبین کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) آپ پر جنون کا اثر ہو گیا ہے۔ اس گستاخانہ رویّے کے جواب میں یہ آیت اتری۔

تخلیق کائنات پر غور وفکر

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِىْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ۔ (اعراف۔185)

کیا ان لوگوں نے آسمان وزمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو خدا نے پیدا کی ہے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا؟

Reflection on the creation of Universe!

Have they ever reflected on the wonders of the heavens and the earth and everything that Allah has created. (7:185)

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ تخلیق کائنات پر غوروفکر اور تدبّر کریں تو یقیناً انہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو سکتی ہے۔

ان کا وقت اجل قریب ہے

وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ۔ (اعراف۔185)

اور یہ کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی ہو پھر قرآن کے بعد کس بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔

Their appointed time is near

and perhaps their appointed time is near? So, what message after this ˹Quran˺ would they believe in? (7:185)

حَدِيْث سے مراد یہاں قرآن کریم ہے۔یعنی نبی کریم ﷺ کے انذار و تنبیہ اور قرآن کریم کے بعد بھی اگر یہ ایمان نہ لائیں تو ان سے بڑھ کر انہیں متنبہ کرنے والی چیز کیا ہوگی جو اللہ کی طرف سے نازل ہو اور پھر یہ اس پر ایمان لائیں۔

اللہ کی رہنمائی سے محروم لوگ

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَ يَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ (اعراف۔186)

جس کو اللہ رہنمائی سے محروم کردے اُس کے لیے پھر کوئی رہنما نہیں ہے، اور اللہ اِنہیں اِن کی سرکشی ہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔

Whoever Allah allows to stray, none can guide, leaving them to wander blindly in their defiance. (7:186)

یعنی وہ لوگ جو خود ہی گمراہی کا راستہ اختیار کرلیں، اپنی سوچ اور غوروفکر کے دروازے بند کرلیں، ان کیلئے میری آیات اور نشانیاں بے سود ہیں۔ایسے بند ذہنوں پر گمراہی لکھ دی جاتی ہے اور پھر انہیں کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

قیامت کا علم، قیامت کب اور کس وقت؟

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِىٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (اعراف۔187)

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہو گا؟ آپؐ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے۔ وہ اُسے اپنے وقت پر ہی ظاہر کرے گا۔ آسمانوں اور زمین میں وہ بڑا سخت وقت ہو گا وہ تم پر اچانک آ جائے گا۔ یہ تم سے اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تم اس سے بخوبی واقف ہو۔ کہو کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔

They ask you ⌈O Prophet⌉ regarding the Hour, “When will it be?” Say, “That knowledge is only with my Lord. He alone will reveal it when the time comes. It is too tremendous for the heavens and the earth and will only take you by surprise.” They ask you as if you had full knowledge of it. Say, “That knowledge is only with Allah, but most people do not know.” (7:187)

یہ آیت مکی ہے اور سوال کرنے والے اہل مکہ یعنی قریش تھے کیونکہ وہ قیامت کے قائل ہی نہ تھے۔

السَّاعَة کے معنی ہیں گھڑی (لمحہ یا پل) کے ہیں قیامت کو السَّاعَة اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ اچانک اس طرح آ جائے گی کہ پل بھر میں ساری کائنات درہم برہم ہو جائے گی یا سرعت حساب کے اعتبار سے قیامت کی گھڑی کو ساعۃ سے تعبیر کیا گیا۔

اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ: یعنی اس کا یقینی علم نہ کسی فرشتے کو ہے نہ کسی نبی کو، اللہ کے سوا اس کا علم کسی کے پاس نہیں، وہی اس کو اپنے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔

ثَقُلَتْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: اس کا علم آسمان اور زمین والوں پر بھاری ہے، کیونکہ وہ پوشیدہ ہے اور پوشیدہ چیز لوگوں پر بھاری ہوتی ہے۔

حدیث: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت اچانک آئے گی جب دنیا کے سارے کام حسب معمول ہو رہے ہوں گے، جانوروں والے اپنے جانوروں کے پانی پلانے کے حوض درست کر رہے ہوں گے، تجارت والے ناپ تول میں مشغول ہوں گے اس دوران قیامت آ جائے گی۔

بخاری شریف میں ہے کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے سورج مغرب کی طرف سے نکلے گا اسے دیکھتے ہی سب لوگ ایمان قبول کر لیں گے لیکن اس وقت کا ایمان ان کے لئے بے سود ہو گا۔

علامات قیامت (احادیث کی روشنی میں)

پوشیدہ امور یعنی علم غیب کی مالک ہستی صرف اللہ تعالیٰ ہے

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ ۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (اعراف۔188)

کہہ دو میں اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب کی بات جان سکتا تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو محض ایک خبردار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان دار ہیں۔

Knowledge of the Unknown is with Allah alone!

Say, "I have no power to benefit or protect myself, except by the Will of Allah. If I had known the unknown, I would have benefited myself enormously, and no harm would have ever touched me. I am only a warner and deliverer of good news for those who believe." (7:188)

The exact date and time of the Last Day is known to God alone Who knows the Unseen which, in fact, is not known even to the Prophet (peace be on him). Being human, he is not aware what tomorrow has in store for him and his family. Had his knowledge encompassed everything – even things that lie beyond the ken of sense-perception and events that lie hidden in the future – he would have accumulated immense benefit and would have been able to avoid a great deal of loss owing to such foreknowledge. That being the case, it is sheer naivety to ask the Prophet about the actual time for the advent of the Last Day.

چودہواں رکوع: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔۔۔ (اعراف۔189)

رکوع کے تفسیری موضوعات

ساری انسانیت ایک کنبہ ہے، ایک ہی باپ، ایک ہی ماں اور تمام نسل آدم (هوالّذی خلقكم من نفس واحده)، مشرکانہ خرافات کی تردید، کفران نعمت، اہل عرب کی جاہلانہ گمراہیوں کی تردید، مخلوق کو خالق کا درجہ نہ دو، غیر اللہ کو استعانت کیلئے پکارنا یا نہ پکارنا برابر ہے، معبودان باطلہ مخلوق ہیں (عباد امثالكم)، غیر اللہ کی عبادت کی تین اقسام: بت پرستی، مردہ پرستی، مشرکانہ اعتقادات کی پیروی، اللہ ہمارا حامی وناصر، غیر اللہ مدد پر قادر ہی نہیں، غیر اللہ کی بے بسی، اچھے اعمال کی نشاندہی، صاحب خلق عظیم، اخلاق نبوی ﷺ (خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاہلین)، پاکیزہ اخلاق: عفوودرگذر، اچھی باتوں کا حکم، جہلاء سے اعراض، شیطانی وسوسے، تعوّذ اللہ کی پناہ، شیطان کو جھگڑوں میں خاص دلچسپی، شیطان کے بھائی، بصیرت کی روشنیاں (هٰذا بصائر من ربّكم)، تلاوت قرآن کے آداب، قرآن کو توجّہ سے سنو (واذا قری القرآن فاستمعو لہ)، خطبہ جمعہ سننا، جہری نماز میں امام کی قرآت سننا، رب کی یاد صبح وشام دل میں بساؤ (ولا تكن من الغافلین)، ذکر الٰہی کے آداب، ذکر قلبی، ذکر خفی اور ذکر جہری، نیکی کے تکبر سے اجتناب، عبادت میں عاجزی اور اللہ کی حمد وثناء، سجدہ تلاوت کے احکام، سجدہ کی عمومی فضیلت (واسجدواقترب)، حالت سجدہ میں دعا۔

ساری انسانیت ایک کنبہ: ایک ہی گھرانہ یا فیملی

ایک ہی باپ، ایک ہی ماں اور تمام نسل آدم

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ۔ (اعراف۔189)

وہ وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑ بنایا تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے، پھر جب مرد نے اس (عورت) کو ڈھانپ لیا تو وہ خفیف بوجھ کے ساتھ حاملہ ہوگئی، پھر وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ

بو جھل ہو گئی تو دونوں نے مل کر اللہ، اپنے رب اللہ سے دعا کی کہ اگر تو ہمیں اچھا تندرست بچہ عطا فرمادے تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔(اعراف۔189)

All human beings are equal, Come from a single soul!

He is the One Who created you from a single soul, then from it made its spouse so he may find comfort in her. After he had been united with her, she carried a light burden that developed gradually. When it grew heavy, they prayed to Allah, their Lord, "If you grant us good offspring, we will certainly be grateful." (7:189)

نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ: ساری انسانیت کو ایک جان سے پیدا کیا۔یعنی انسانی زندگی کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے۔اسی لئے انہیں انسان اول اور ابو البشر کہا جاتا ہے۔

زَوْجَهَا: اس سے مراد حضرت حواء ہیں، جو حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ بنیں۔ان کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، جس طرح کہ منھا کی ضمیر سے، جو نفس واحدۃ کی طرف راجع ہے۔

لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا: یعنی اس سے انس و محبت کرے اور اطمینان و سکون حاصل کرے۔دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔(روم۔21)یعنی اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے (یا تمہاری جنس ہی میں سے) جوڑے پیدا کئے، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے دل میں اس نے پیار محبت رکھ دی۔یعنی اللہ نے مرد اور عورت دونوں کے اندر ایک دوسرے کے جذبات اور کشش رکھی ہے، فطرت کے یہ تقاضے وہ جوڑا بن کر پورا کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے قرب و انس حاصل کرتے ہیں۔چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ حقیقی باہمی پیار و محبت میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے وہ دنیا میں کسی اور کے ساتھ نہیں ہوتا۔ازدواجی زندگی کے جتنے حقوق و فرائض زوجین پر عائد ہوتے ہیں ان سب کا خلاصہ اور اصل مقصد سکون ہے۔دنیا کی نئی سوشل لائف میں جو نئی ایجادات، سوشل ایپس زیر استعمال آگئی ہیں وہ ازدواجی سکون کو برباد کرنے والی اور ازدواجی تعلقات کی دشمن ہیں۔آج کی مہذب دنیا میں گھریلو زندگی میں جو تلخی اور بے سکونی نظر آتی ہے اور طلاق کی شرح بڑھ گئی ہے، اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ معاشرت میں ایسی چیزوں کو مستحسن سمجھ لیا گیا ہے جو گھریلو زندگی کے سکون کو سراسر برباد کرنے والی ہیں، عورت کی آزادی کے نام پر اس کی بے پردگی اور بے حیائی کو ازدواجی سکون

کے برباد کرنے میں بڑا دخل ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ یہ چیز مرد کی ہوس کو بڑھاتی ہے اور گھریلو سکون واطمینان کو ختم کرتی ہے۔

فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ: پھر جب وہ حمل سے بوجھل ہوگئی۔ بچہ پیٹ میں بڑا ہوجاتا ہے تو جوں جوں ولادت کا وقت قریب آتا جاتا ہے، والدین کے دل میں خطرات اور توہمات پیدا ہوتے جاتے ہیں تو انسانی فطرت ہے کہ خطرات میں وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، چنانچہ وہ دونوں اللہ سے دعائیں کرتے ہیں، بچے کی صحت مندی کی دعا کرتے ہیں اور شکر گزاری کا عہد کرتے ہیں۔

مشرکانہ خرافات کی تردید!

کفران نعمت!

فَلَمَّآ اٰتٰـهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰـهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ (اعراف:190)

(مگر جب اللہ نے ان کو ایک صحت مند بچہ دے دیا تو وہ اس کی اِس بخشش وعنایت میں (اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے) دوسروں کو اس کا شریک ٹھیرانے لگے۔ اللہ بہت بلند وبرتر ہے ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

Refute to Polytheistic Customs!

But when He granted their descendants good offspring, they associated false gods in what He has given them. Exalted is Allah above what they associate ˹with Him˺! (7:190)

The present and succeeding (verses 190-8) seek to refute polytheism.

People are inclined to turn to God and pray for the birth of a sound and healthy baby, however, after a sound and healthy baby has been born as a result of God’s will, man makes offerings at the altars of false gods, goddesses, or saints. Occasionally the names given to the child contains polytheistic words also indicate that man feels grateful to his spiritual mentor rather than a gift from God.

Here another point deserves attention. These verses condemn the Arabian polytheists on account of the fact that when God granted them sound children in response to their prayers, they associated others with God in offering thanks. But what about the situation of some Muslims of today who ask others than God to grant children. They, make vows during pregnancy to others than God, and make offerings to others than God after childbirth. These doctrinal errors of Muslims should also be corrected.

اس آیت میں اسلام سے پہلے اہل عرب کی جاہلانہ گمراہیوں پر تنقید کی گئی ہے۔ تقریر کا مدعا یہ ہے کہ بچے کو پیدا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر اس بچے کے اندر طرح طرح کی قوتیں، صلاحیتیں اور قابلیتیں پیدا کرنا، اس کو صحیح وسالم انسان بنا کر پیدا کرنا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس حقیقت سے مشرکین عرب بھی اسی طرح آگاہ تھے۔ لیکن جہالت و نادانی کا یہ حال ہے کہ جب امید بر آتی ہے اور چاند سا بچہ نصیب ہو جاتا ہے تو شکریے کے لیے نذریں اور نیازیں کسی دیوی، کسی اوتار، کسی ولی اور کسی حضرت کے نام پر چڑھائی جاتی ہیں اور بچے کو ایسے نام دیے جاتے ہیں کہ گویا وہ خدا کے سوا کسی اور کی عنایت کا نتیجہ ہے، مثلاً حسین بخش، پیر بخش، عبد الرسول، عبد الشمس، عبد العزّیٰ۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بچہ (نعوذ باللہ) فلاں غیر اللہ کی نظر کرم کا نتیجہ ہے۔ یا پھر اس اپنے عقیدے کا اظہار کرنا کہ ہم فلاں ہستی یا آستانے پر گئے تھے جس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہوا ہے انتہائی جاہلانہ اور مشرکانہ روایت ہے۔ بدقسمتی سے ایسی خرافات مسلمان عوام میں بھی عام ہیں۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ شرک کی تردید فرما رہے ہیں۔

مخلوق کو خالق کا درجہ نہ دو

اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًـا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ۔ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَھُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَ۔(اعراف۔192-191)

کیا یہ لوگ انہیں شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرسکتے بلکہ وہ تو خود پیدا کئے جاتے ہیں۔ جو نہ ان کی مدد کرسکتے ہیں اور نہ ہی خود اپنی مدد پر قادر ہیں۔

Do they associate ˹with Allah˺ those which cannot create anything but are in fact created. Which cannot help them, or even help themselves? (7:191.192)

غیر اللہ کو پکارنا یا نہ پکارنا برابر ہے

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صٰمِتُوْنَ۔(اعراف۔193)

اگر تم انہیں سیدھی راہ پر آنے کی دعوت دو تو وہ تمہاری پیروی نہ کریں، تم خواہ انہیں پکارو یا خاموش رہو، دونوں صورتوں میں تمہارے لیے یکساں ہی رہے۔

False gods have no powers!

And if you call upon them for guidance, they cannot respond to you. It is all the same whether you call them or remain silent. (7:193)

As to the false gods set up by the polytheists, what is the extent of their power? Not only, do they not have the power to guide others, they do not even have the power to follow others or even to answer the call of their devotees.

اس سے مراد یا تو مشرکین ہیں یا وہ جن کو وہ مشرکین پکارتے ہیں یعنی معبودان باطلہ۔

یعنی وہ (مشرکین) تمہاری بتلائی ہوئی بات (دعوت توحید) پر عمل نہیں کریں گے۔ سنی ان سنی کر دیں گے۔

ایک دوسرا مفہوم یہ ہے اگر تم ان (معبودان باطلہ) سے رشد و ہدایت طلب کرو تو وہ تمہیں ہدایت نہ دے سکیں گے نہ ہی تمہاری بات مانیں گے نہ تمہیں کوئی جواب دیں گے۔(بحوالہ فتح القدیر)

اگلی آیت میں اسی نکتے کی مزید وضاحت کی جا رہی ہے:

معبودان باطلہ تمہاری طرح مخلوق ہی ہیں!

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (اعراف۔194)

تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو وہ تو محض بندے ہیں جیسے تم بندے یعنی مخلوق ہو، پھر جب تم انہیں پکارو تو انہیں چاہیئے کہ تمہیں جواب دیں (یعنی تمہاری مدد کریں) اگر تم (واقعی انہیں معبود بنانے میں) سچے ہو۔

False gods are creatures like you!

Those whom you invoke other than Allah are creatures like you. So, invoke them. and see if they answer your call, if what you claim is true! (7:194)

یعنی تمہارے معبودان باطلہ سے زیادہ تو تم خود زیادہ کامل ہو کیونکہ وہ تو دیکھ بھی نہیں سکتے جبکہ تم دیکھ سکتے ہو، وہ سن نہیں سکتے، تم سنتے ہو، وہ کسی بات کو سمجھ نہیں سکتے، تم سمجھتے ہو، وہ جواب نہیں دے سکتے، تم دیتے ہو اس سے معلوم ہوا کہ ایک بے جان چیز جو تم سے بھی زیادہ کمزور ہے تمہاری کیا مدد کر سکتی ہے؟ اور اس سے بڑھ کر تمہاری عبادت کے لائق کیسے ہو سکتی ہے۔

اگلی آیت کے اندر اسی نکتے کی مزید وضاحت کی جا رہی ہے:

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَا ۖ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَا ۖ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ۔ (اعراف۔195)

کیا یہ پاؤں رکھتے ہیں کہ ان سے چلیں؟ کیا یہ ہاتھ رکھتے ہیں کہ ان سے پکڑیں؟ کیا یہ آنکھیں رکھتے ہیں کہ ان سے دیکھیں؟ کیا یہ کان رکھتے ہیں کہ ان سے سنیں؟ کہہ دو کہ اپنے شریکوں کو بلالو اور میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی ہو) کر لو اور مجھے کچھ مہلت بھی نہ دو (پھر دیکھو کہ وہ میرا کیا کر سکتے ہیں)

Do they have feet to walk with? Or hands to hold with? Or eyes to see with? Or ears to hear with? Say, ˹O Prophet,˺ "Call upon your associate-gods and conspire against me without delay! (7:195)

Polytheistic religions seem to have three characteristics:

(1) Idols and images that are held as objects of worship.
(2) Some persons and spirits that are considered deities represented in the form of idols and images etc.
(3) Certain beliefs which are normally visible by their polytheistic rites.

The Qur'an denounces all forms of polytheism. At this place, however, the reference is directed against the objects to which the polytheists directed their worship.

یہاں ایک بات سمجھنی چاہیے کہ غیر اللہ کی عبادت تین طرح سے کی جاتی ہے:

ایک ہے بت پرستی، تصاویر یا علامات کی پرستش۔ جیسے لات، منات عزّٰی وغیرہ

دوسرا شخصیات یا ارواح کی عبادت یا مردہ پرستی۔ کسی سابق

تیسرے مشرکانہ اعتقادات کی پیروی۔

قرآن مختلف طریقوں سے شرک کی ان تینوں اقسام کی مذمت کرتا ہے۔

اس آیت میں شرکیہ عبادت کی پہلی قسم یعنی بت پرستی کی مذمت بیان کی جارہی ہے۔

اللہ ہمارا حامی وناصر

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتَابَ ۖ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصَّالِحِیْنَ ۔ (اعراف۔196)

یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔

Indeed, my protector is Allah, who has sent down the Book; and He helps the righteous. (7:196)

This is in response to the threats held out by the polytheists to the Prophet (peace he on him). They used to tell the Prophet that if he did not give up opposing their deities and denouncing them, he would be overwhelmed by the wrath of those deities and court utter disaster.

The last sentence "He helps and protects the righteous" has given us a general principle that Allah helps and protects all people of faith who act righteously. Even His failure in this world is, in fact, his success in true sense, because the main objective of his life is to seek Allah's pleasure.

غیر اللہ مدد پر قادر ہی نہیں

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ۔ (اعراف۔197)

بخلاف اِس کے تم جنہیں اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی مدد کرنے کے قابل ہیں۔

And those whom you invoke other than Allah, they can neither help themselves nor you. (7:197)

غیر اللہ کی بے بسی

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۔(اعراف۔198)

اور اگر تم انہیں سیدھے راستہ کی طرف دعوت دو تو وہ تمہاری بات سن بھی نہیں سکتے۔ بظاہر تم کو ایسا نظر آتا ہے کہ وہ (بت) تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر فی الواقع وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔

And if you invite them to guidance, they will not hear; and you observe them looking at you whereas they have no power to see. (7:198)

اچھے اعمال کی نشاندہی

صاحِب خُلق عظیم

اخلاق نبوی ﷺ

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ۔ (اعراف۔199)

اے نبیؐ! عفوودرگذر کا طریقہ اختیار کرو، نیکی کی تلقین کیے جاؤ، اور جاہلوں سے نہ الجھو۔

The manifestation of all moral excellences

(O, Prophet) Forgive them, enjoin what is good, and turn away from those who act ignorantly. (7:199)

In these verses some important directives are addressed to the Prophet (peace be on him) regarding how he should preach the Message of Islam and how he should guide and reform people. These directives are not just for the Prophet (PBUH), but also for his followers.

This is the best method to flourish the Mission of Islam into the hearts of people.

The above verse provides us with a perfect code and model discipline of moral excellences. The Holy Prophet has the title of صاحِبِ خُلقِ عظیم (The manifestation of all moral excellences) which is unique to him out of the whole mankind.

The first is خُذِالعَفوَ (to show forbearance). The most important qualities that must be cultivated by anyone who calls others to the truth are tolerance, forgiveness, and forbearance. The meaning of the verse is to pardon or to forgive. The Qur'anic phrase has asked the Holy Prophet to pardon the errors and shortcomings of the people.

The second interpretation is that it is an act which can be done with ease or without any difficulty. The first sentence, therefore, shall mean that "Accept what people can do easily", implying that, in the matter of Islamic obligations, don't demand high standard of deeds from the people. Rather, accept the degree of perfection which can be achieved easily by the people.

اس آیت مبارکہ میں داعی حق کی صفات کو بیان کیا گیا۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن مجید کی آیت مبارکہ: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ۔ اے نبیؐ! عفوودرگذر کا راستہ اختیار کرو، نیکی کی تلقین کیے جاؤ، اور جاہلوں سے نہ الجھو۔ (اعراف۔199) نازل ہوئی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: ما هذا يا جبريل؟ اے جبریل! اس آیت سے کیا مراد ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: میں اس وقت تک نہیں بتاسکتا جب تک عالم کل (اللہ تعالیٰ) سے نہ پوچھ لوں۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام (آسمان پر) چلے گئے۔ پھر کچھ دیر (بعد) واپس تشریف لائے اور عرض کیا: إن الله تعالى يأمرك أن تعفو عمن ظلمك وتعطى من حرمك وتصل من قطعك۔ اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) آپؐ کو حکم دیا ہے کہ آپ اس شخص کو جو آپ پر زیادتی کرے معاف فرمادیں اور جو شخص آپ کو محروم رکھے آپ اس کو عطا فرمائیں۔ جو شخص آپ سے رشتہ منقطع کرے آپ اس سے صلہ رحمی فرمائیں۔ (بحوالہ ابن کثیرؒ، قرطبیؒ، روح المعانی)

اس آیت کے اندر چار باتوں کا حکم دیا گیا

1: عفوودرگذر

2: اچھی باتوں کا حکم

3: جہلاء سے اعراض

4: شیطانی وسوسے۔ تعوّذ، اللہ کی پناہ

یہ وہ پاکیزہ اخلاق ہیں جن کا مجسم عملی نمونہ خود رسول اللہ ﷺ تھے۔

خُذِ الْعَفْوَ: عربی لغت کے اعتبار سے لفظ الْعَفْوَ کے کئی معنی ہوسکتے ہیں اور اس موقع پر ہر معنی کی گنجائش ہے۔ اسی لئے مفسرین نے اس کے مختلف معانی کئے ہیں: جمہور مفسرین کے نزدیک عفو کہا جاتا ہے ہر ایسے کام کو جو آسانی کے ساتھ بغیر کسی تکلف اور مشقت کے ہو جائے۔ تو معنی اس آیت کے یہ ہوئے کہ آپؐ قبول کرلیا کریں اس چیز کو جو لوگ آسانی سے کرسکیں یعنی واجبات شرعیہ میں آپ لوگوں سے اعلیٰ معیار کا مطالبہ نہ کریں بلکہ وہ جس پیمانہ پر آسانی سے عمل پیرا ہوسکیں آپ اتنے ہی درجہ کو قبول کرلیا کریں، مثلاً نماز کی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ بندہ ساری دنیا سے منقطع اور یکسو ہو کر اپنے رب کے سامنے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ ہر نمازیوں کی اکثریت کو یہ چیز نصیب نہیں ہوتی۔ اسی طرح

دوسری عبادات زکوۃ، روزہ، حج اور عام معاملات و معاشرت کے واجبات شرعیہ میں جو لوگ پورا پورا حق ادا نہیں کرسکتے ان سے سرسری اطاعت و فرمانبرداری ہی کو قبول کرلیا جائے۔

دوسرے معنیٰ الْعَفْوَ کے درگزر اور معاف کرنے کے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آپؐ گناہگاروں خطاکاروں کے گناہ و قصور کو معاف کردیا کریں۔ آپؐ اور اہل ایمان کے شایان شان یہ ہے کہ وہ عفوودرگزر سے کام لیں۔

حدیث: اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے مکارم اخلاق کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: الا ادلک علیٰ اکرم اخلاق الدنیا والآخرہ ، ان تصل من قطعک، و تعطی من حرمک و تعفو عمن ظلمک۔ کہ میں تم کو اولین و آخرین کے اخلاق سے بہتر اخلاق کی تعلیم دیتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جو شخص تم کو محروم کرے تم اس پر بخشش کرو، جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کردو، جو تم سے تعلق قطع کرے تم اس سے بھی ملا کرو۔ (بیہقی)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بطور خیرات ان سے وہ مال لو جو ان کی ضرورت سے زیادہ ہو اور جسے یہ بخوشی اللہ کی راہ میں پیش کریں۔ یہ زکوۃ کی فرضیت سے قبل کا حکم ہے۔ یہ بھی معنی کئے گئے ہیں کہ ضرورت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کردیا کرو۔

یہ بھی مطلب بیان کیا گیا کہ ہے کہ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تاکید کی گئی کہ مخالفین اسلام سے بدلہ نہ لو بلکہ عفوودرگذر کرتے رہو۔

حدیث: مسند احمد میں ہے حضرت عقبہ بن عامر (رض) فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملا اور آپ کا ہاتھ تھام کر درخواست کی کہ مجھے افضل اعمال بتایئے آپؐ نے فرمایا جو تجھ سے قطع تعلقی کرے تو اس سے بھی تعلقات استوار رکھ، جو تجھے محروم رکھے تو اسے بھی دے، جو تجھ پر ظلم کرے تو اس پر بھی رحم کر۔ (بحوالہ ابن کثیرؒ)

اس آیت مبارکہ میں داعی حق کی صفات کو بیان کیا گیا۔ جو صفات سب سے زیادہ ضروری ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے نرم خو متحمل مزاج اور عالی ظرف ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے ساتھیوں کے لیے شفیق، عامتہ الناس کے لیے رحیم اور اپنے مخالفوں کے لیے حلیم ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے رفقا کی کمزوریوں کو بھی برداشت کرنا چاہیے اور اپنے مخالفین کی سختیوں کو بھی۔ اسے شدید سے شدید اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھنا چاہیے، نہایت ناگوار باتوں کو بھی عالی ظرفی کے ساتھ ٹال دینا چاہیے، مخالفوں کی طرف سے کیسی ہی سخت کلامی بہتان تراشی، ایذا رسانی اور شریرانہ مزاحمت کا اظہار ہو، اس کو درگزر

ہی سے کام لینا چاہیے۔ سخت گیری، درشت خوئی، تلخ گفتاری اور منتقمانہ اشتعال طبع اس کام کے لیے زہر کا حکم رکھتا ہے اور اس سے کام بگڑتا ہے بنتا نہیں ہے۔

حدیث: اسی چیز کو نبی کریم ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ "غضب اور رضا، دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں، جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں، جو مجھے میرے حق سے محروم کرے میں اسے اس کا حق دوں، جو میرے ساتھ ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں"۔

حدیث: اور اسی چیز کی ہدایت آپ ان لوگوں کو کرتے تھے جنہیں آپ دعوت و تبلیغ کیلئے بھیجتے تھے کہ: بشروا ولا تنفروا و یسرواولا تعسروا، یعنی جہاں تم جاؤ وہاں تمہاری آمد مقامی لوگوں کے لیے باعث خوشی ہو نہ کہ باعث نفرت، اور تم عام لوگوں اور معاشرے کیلئے سہولت کا ذریعہ بنو نہ کہ تنگی و سختی کا۔ اور اسی چیز کی تعریف اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے حق میں فرمائی ہے کہ: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔ یعنی یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم دل ہو ورنہ اگر تم سخت گیر اور سنگدل ہوتے تو یہ سب لوگ تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ (آل عمران، 159)

دعوت دین کے کام میں جہاں یہ بات ضروری ہے کہ طالبین خیر کو معروف کی تلقین کی جائے وہاں یہ بات بھی اتنی ہی ضروری ہے کہ جاہلوں سے نہ الجھا جائے خواہ وہ الجھنے اور الجھانے کی کتنی ہی کوشش کریں۔ داعی کو اس معاملہ میں سخت محتاط ہونا چاہیے کہ اس کا خطاب صرف ان لوگوں سے رہے جو معقولیت کے ساتھ بات کو سمجھنے کے لیے تیار ہوں۔ اور جب کوئی شخص جہالت پر اتر آئے اور حجت بازی، جھگڑالوپن اور طعن و تشنیع شروع کر دے تو داعی کو اس کا حریف بننے سے انکار کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ اس جھگڑے میں الجھنے کا حاصل کچھ نہیں ہے اور نقصان یہ ہے کہ داعی کی جس قوت کو اشاعت دعوت اور اصلاح نفوس میں خرچ ہونا چاہیے وہ اس فضول کام میں ضائع ہو جاتی ہے۔ مزید یہ ہے کہ جب کبھی داعی حق مخالفین کے ظلم اور ان کی شرارتوں اور ان کے جاہلانہ اعتراضات و الزامات پر اپنی طبیعت میں اشتعال محسوس کرے تو اسے فوراً سمجھ لینا چاہیے کہ یہ نزغ شیطانی (یعنی شیطان کی اکساہٹ) ہے اور اسی وقت خدا سے پناہ مانگنی چاہیے۔ دعوت حق کا کام بہر حال ٹھنڈے دل سے ہی ہو سکتا ہے اور وہی قدم صحیح اٹھ سکتا ہے جو جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں بلکہ موقع و محل کو دیکھ کر، خوب سوچ سمجھ کر اور حکمت کے ساتھ اٹھایا جائے۔

اس آیت کا ایک عمومی مفہوم بھی ہے اور وہ یہ کہ اہل تقویٰ کا طریقہ بالعموم اپنی زندگی میں غیر متقی لوگوں سے مختلف ہوتا ہے۔ جو لوگ حقیقت میں خدا سے ڈرنے والے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ برائی سے بچیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ برے خیال کا ایک ذرا سا غبار بھی اگر ان کے دل کو چھو جاتا ہے تو انہیں ویسی ہی کھٹک محسوس ہونے لگتی ہے جیسی کھٹک انگلی میں پھانس چبھ جانے یا آنکھ میں کسی ذرے کے گر جانے سے محسوس ہوتی ہے۔ چونکہ وہ برے خیالات، بری خواہشات اور بری نیتوں کے خوگر نہیں ہوتے اس وجہ سے یہ چیزیں سرے سے ہی ان کے خلاف مزاج ہوتی ہیں۔

یہ آیت مکارم اخلاق کی اعلیٰ ہدایات پر مشتمل ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا خلاصہ یہ بیان فرمایا ہے کہ لوگ دو قسم کے ہیں ایک محسن یعنی اچھے کام کرنے والے، دوسرے بدکار ظالم، اس آیت نے دونوں طبقوں کے ساتھ اخلاق کریمانہ برتنے کی یہ ہدایت دی ہے کہ نیک کام کرنے والوں سے ان کی ظاہری نیکی کو قبول کرلو، زیادہ تفتیش و تجسس میں نہ پڑو، اور نیکی کے اعلیٰ معیار کا ان سے مطالبہ نہ کرو بلکہ جتنا وہ آسانی سے کر سکیں اس کو کافی سمجھو، اور بدکاروں کے معاملہ میں یہ ہدایت کی کہ ان کو نیک کام سکھلاؤ اور نیکی کا راستہ بتلاؤ، اگر وہ اس کو قبول نہ کریں اور اپنی گمراہی اور غلطی پر جمے رہیں اور جاہلانہ گفتگو سے پیش آئیں تو ان سے علیحدہ ہو جائیں اور ان کی جاہلانہ گفتگو کا جواب نہ دیں، اس طرز سے یہ امید ہے کہ ان کو کسی وقت ہوش آئے اور اپنی غلطی سے باز آجائیں۔

شیطانی وسوسے

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭاِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ (اعراف۔200)

اور اگر تجھے کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آئے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو، بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

Seek Allah's protection against Satan!

If you are tempted by Satan (if an evil suggestion comes to you from Satan), then seek refuge with Allah. Surely, He is All-Hearing, All-Knowing. (7:200)

Hadith: Two men were quarrelling before the Holy Prophet (PBUH) and one of them was getting out of control in his fit of anger. The Prophet looked at him and said: I know some words which if this person were to say, his rage will go away. Then, he said: The words are اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم meaning

seek refuge with Allah from the Shaitan, the accursed. When this person heard the Holy Prophet (PBUH) reciting it, he immediately said it after him and his anger was gone.

درحقیقت یہ آیت بھی پچھلی آیت کے مضمون کی تکمیل ہے کیونکہ اس میں جو ہدایت دی گئی ہے کہ لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کریں، ان کی برائی کا جواب برائی سے نہ دیں۔ یہ بات انسانی طبیعت کے لئے گراں اور مشکل ہے۔ خصوصاً ایسے مواقع میں شیطان اچھے بھلے انسان کو بھی غصہ دلا کر لڑنے جھگڑنے پر آمادہ کر ہی دیتا ہے۔ اس لئے اس آیت میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ اگر ایسے صبر آزما موقع میں غصہ کے جذبات زیادہ مشتعل ہوتے نظر آئیں تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ فوراً اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ لو۔

حدیث: حدیث مبارکہ میں ہے کہ دو شخص حضور اکرم ﷺ کے سامنے لڑ جھگڑ رہے تھے اور ایک شخص غصہ میں بے قابو ہو رہا تھا، آپؐ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کلمہ کہہ لے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ وہ کلمہ یہ ہے: اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ اس شخص نے حضور اکرمؐ سے سن کر فوراً یہ کلمہ پڑھ لیا تو فوراً ہی سارا غصہ اور اشتعال ختم ہو گیا۔

امام تفسیر ابن کثیرؒ نے اس جگہ ایک اہم نکتہ بیان کیا ہے کہ پورے قرآن میں تین آیات اخلاق فاضلہ کے حوالے سے جامع ترین ہیں۔ اور ان تینوں آیات کے آخر میں شیطان سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے۔ ایک تو یہی سورۃ اعراف کی آیت ہے، دوسری سورۃ مؤمنون کی یہ آیت ہے: اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ۔ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ، وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔ (مؤمنون 97)۔ یعنی دفع کرو برائی کو بھلائی سے، ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ کہا کرتے ہیں اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے دباؤ سے اور میرے پروردگار میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں۔

تیسری آیت سورۃ حم سجدہ کی ہے: وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۔ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ، وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ یعنی نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کریں، پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جاوے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے اور یہ بات انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل مزاج ہیں، اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا

صاحب نصیب ہے،اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

ان تینوں آیات میں غصہ دلانے والوں سے عفوودرگزر اور برائی کے بدلہ میں بھلائی کرنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ شیطان سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو انسانی جھگڑوں سے خاص دلچسپی ہوتی ہے، جہاں جھگڑے کا کوئی موقع آتا ہے شیاطین اس کو اپنی شکارگاہ بنالیتے ہیں، اور بڑے سے بڑے بردبار، باوقار آدمی کو غصہ دلاکر حدود سے نکال دینے کی کوشش کرتے ہیں۔اس کا علاج یہ ہے کہ جب غصہ قابو میں نہ آتا دیکھیں تو سمجھ جائیں کہ شیطان مجھ پر غالب آرہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرکے شیطان سے پناہ مانگیں۔اس لئے اس آیت میں بھی شیطان سے پناہ مانگنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

شیطانی وسوسے نیک لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓـِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔ (اعراف۔201)

جو لوگ پرہیزگار ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں، اسی وقت ان کی (بصیرت کی) آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

Indeed, when Satan whispers to those mindful ˹of Allah˺, they remember ˹their Lord˺ then they start to see ˹things˺ clearly. (7:201)

اس میں اہل تقویٰ کی بابت بتلایا گیا ہے کہ وہ شیطان سے چوکنا رہتے ہیں۔انہیں جب کبھی غصہ آجائے، شیطان ان پر اپنا کوئی داؤ چلانا چاہے، ان کے دل میں کسی گناہ کی رغبت ڈالے، ان سے کوئی گناہ کرانا چاہے تو یہ اللہ کے عذاب سے بچنے میں جو ثواب ہے اسے یاد کرلیتے ہیں اور فوراً چوکنے ہوجاتے ہیں، توبہ کرلیتے ہیں، اللہ کی طرف جھک جاتے ہیں، رجوع الی اللہ کرلیتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے شیطانی شر سے پناہ مانگ لیتے ہیں۔اور دین پر اور صراط مستقیم پر استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے تو شیطان اس سے ڈرتا ہے اور اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

طائف یا طیف اس خیال کو کہتے ہیں جو دل میں آئے یا خواب میں نظر آئے۔یہاں اسے شیطانی وسوسے کے معنی میں استعمال کیا گیا، کیونکہ شیطانی وسوسہ بھی خیالی تصورات کے مشابہ ہے۔

شیطان کے بھائی

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ۔(اعراف۔202)

اور جو شیاطین کے بھائی ہیں وہ گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں، پھر وہ (شیاطین کی اطاعت میں) کوئی کمی نہیں کرتے۔

But the devils persistently plunge their ˹human˺ associates deeper into wickedness, sparing no effort. (7:202)

بصیرت کی روشنیاں

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (اعراف۔203)

یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے اُن لوگوں کے لیے جو اِسے قبول کریں۔

Quran: The book of insights

This ˹Quran˺ is an insight from your Lord - a guide and a mercy for those who believe. (7:203)

Quran is a Beacon of Light for the guidance of mankind. The major characteristic of this Book is that those who seek guidance from it do indeed find the right way. The moral excellence visible in the lives of those people who accept the Qur’an is testimony to the fact that they have been blessed with God’s mercy.

سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جو بصیرت کی روشنیوں سے بھرپور ہے۔ قرآن لوگوں کے لئے بصیرت و بصارت بھی ہے اور ساتھ ہی ہدایت و رحمت بھی۔

تلاوت قرآن کے آداب

قرآن کو توجّہ کے ساتھ سنو

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اعراف۔204)

جب قرآن تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو، شاید کہ تم پر بھی رحمت ہو۔

Etiquette of listening Quran!

When the Quran is recited, listen to it attentively and be silent, so you may be shown mercy. (7:204)

This verse contains a general directive regarding recitation of Quran. When Quran is being recited especially during congregational prayer or during Friday sermon, the attendees should listen the recitation in silence. If Quran is recited outside prayer or Friday sermon then adhering to this directive is optional.

اس آیت کے شان نزول کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ ان لوگوں سے کہا جا رہا ہے جو قرآن کی تلاوت کے دوران شور شرابہ کیا کرتے اور خلل ڈالا کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے: لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْـغَوْا فِيْهِ۔ یہ قرآن مت سنا کرو بلکہ اس کی تلاوت کے دوران شور شرابہ کرو۔(فصلت:26) ایسے لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ یہ جو تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تم لوگ قرآن کی آواز سنتے ہی کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہو اور شور و غل برپا کرتے ہو تاکہ نہ خود سنو اور نہ کوئی دوسرا سن سکے، اس روش کو چھوڑ دو اور غور سے سنو تو سہی کہ اس میں تعلیم کیا دی گئی ہے۔ مخالفین کی طعن آمیز بات کے جواب میں یہ ایسا لطیف و شیریں اور ایسا دلوں کو مسخر کرنے والا انداز تبلیغ ہے کہ اس کی خوبی کسی طرح بیان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ جو شخص حکمت تبلیغ سیکھنا چاہتا ہو وہ اگر غور کرے تو اس جواب میں بڑا سبق حاصل کر سکتا ہے۔

آیت کے الفاظ اگرچہ عمومی ہیں مگر اس سے خاص طور پر نماز کی قرآءت اور خطبہ جمعہ کی آیات کو توجہ سے سننا مراد ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں کہ یہ آیت فرض نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یعنی آیت کا حکم نماز کے دوران امام کی تلاوت کو توجہ سے سننے کے بارے میں ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب (امام نماز کیلئے) تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرات کرے تو تم خاموش رہو یعنی قرآن کو توجہ سے سنو۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نماز اور خطبہ جمعہ کے بارے میں ہے۔ اس کے علاوہ جب کوئی تلاوت کر رہا ہو تو اس دوران کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (بحوالہ ابن کثیرؒ)

حدیث: فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ: جو شخص کان لگا کر کتاب اللہ کی کسی آیت کو سنے تو اس کے لئے کثرت سے بڑھنے والی نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اسے پڑھے تو اس کے لئے قیامت کے دن نور ہو گا۔ (مسند احمد)

نماز کے اندر قرآن کو توجہ سے سننا اور خاموش رہنا تو سب لوگوں کو معلوم ہے اگرچہ عمل میں کوتاہی کرتے ہیں کہ بعض لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ امام نے کونسی سورت پڑھی ہے۔ ان پر لازم ہے کہ وہ قرآن کی عظمت کو پہچانیں اور سننے کی طرف دھیان رکھیں، خطبہ جمعہ وغیرہ کا بھی شرعاً یہی حکم ہے، نبی اکرم ﷺ کا ایک خاص حکم خطبہ کے متعلق ہے کہ: اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام۔ یعنی جب امام خطبہ کے لئے نکل آئے تو نہ نماز ہے نہ کلام۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جو حکم خطبہ جمعہ کا ہے وہی عیدین کے خطبہ کا اور نکاح وغیرہ کے خطبہ کا بھی ہے کہ اس وقت کان لگانا اور خاموش رہنا واجب ہے۔

البتہ نماز اور خطبہ کے علاوہ عام حالات میں کوئی شخص انفرادی تلاوت کر رہا ہے تو دوسروں کو خاموش رہ کر اس پر کان لگانا واجب نہیں۔ بلکہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسی جگہ جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں یا آرام کرتے ہوں کسی کے لئے بآواز بلند یا لاؤڈ سپیکر پر قرآن پڑھنا جائز ہی نہیں۔ جو شخص ایسے مواقع میں قرآن بآواز بلند پڑھتا ہے وہ گناہگار ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو تلاوت قرآن باجماعت نماز میں کی جارہی ہو اس کا سننا مقتدیوں پر واجب ہے۔ اگر تلاوت قرآن نماز کے باہر ہو رہی ہو تو اگر یہ خطبہ جمعہ، خطبہ عیدین یا خطبہ نکاح ہو تو سامعین کو توجہ سے سننا چاہئے۔ لیکن اس کے علاوہ انفرادی تلاوت ہو رہی ہو تو سامع پر سننا واجب نہیں۔

رب کی یاد صبح وشام دل میں بساؤ

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ (اعراف۔205)

اے نبیؐ! اپنے پروردگار کو صبح وشام یاد کیا کرو، دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے اور پست آواز سے۔ اور تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

Remember Allah frequently!

Remember your Lord inwardly with humility and reverence and in a moderate tone of voice, both morning and evening. And do not be one of the heedless. (7:205)

The directive to remember the Lord signifies remembrance in Prayer as well as otherwise, make it verbally or in the heart both are permissible with certain conditions. The directive to remember God in the morning and in the evening refers to Prayer at those times as well as remembering Allah at all times. The purpose of this admonition is to emphasis constant remembrance of Allah (swt). Because every sin and disobedience stems from the fact that man tends to forget his Lord. Hence Prayer, remembrance of Allah (*Dhikr*) and being mindful of Allah (*Taqwa*) are frequently stressed in the Holy Qur'an.

Verbal and Non-Verbal Dhikr

The first level is Reflection, in which a person simply thinks of Allah and His attributes in his heart. The second level is where the tongue also joins the Dhikr along with the heart. However, the lowest degree of it would be uttering the words of Dhikr but the heart stays denuded with it, even heedless towards it.

اس سے پہلی آیات میں تلاوت قرآن مجید کے آداب کا بیان تھا۔ ان آیات میں مطلق ذکر اللہ کے آداب کا بیان ہے جس میں انفرادی تلاوت قرآن بھی شامل ہے۔

ذکر خفی اور ذکر جہر کے احکام

ذکر الٰہی کا پہلا ادب آہستہ یا بلند آواز سے کرنے کے متعلق ہے اس کے بارے میں قرآن کریم نے اس آیت فرمایا:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ یعنی اپنے رب کو یاد کیا کرو اپنے دل میں۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ بغیر زبان کی حرکت کے صرف دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا رکھے جس کو ذکر قلبی یا تفکر کہا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ زبان سے بھی حروف ادا کرے۔ البتہ قلب غافل کے ساتھ ذکر کرنے سے برکت حاصل نہیں ہوتی۔

دوسرا ادب تلاوت اور ذکر کا یہ ہے کہ عاجزی اور تضرع کے ساتھ ذکر کیا جاوئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال مستحضر ہو اور جو ذکر کر رہا ہے اس کے معنی ومفہوم پر نظر ہو۔

تیسرا ادب اسی آیت میں لفظ خیفہ سے یہ بتلایا گیا کہ ذکر وتلاوت کے وقت انسان پر ہیبت اور ڈر کی کیفیت ہونی چاہیئے۔ خوف اس کا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور عظمت کا حق ادا نہیں کر سکتے، ممکن ہے کہ ہم سے کوئی بے ادبی ہو جائے، نیز اپنے گناہوں کے استحضار سے عذاب الٰہی کا خوف۔ پتہ نہیں کہ ہمارا خاتمہ کس حال پر ہونا ہے۔

آخر آیت میں ذکر وتلاوت کے اوقات بتلائے کہ صبح وشام ہونا چاہیئے اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کم از کم دن میں دو مرتبہ صبح اور شام ذکر اللہ میں مشغول ہونا چاہیئے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صبح شام بول کر مراد تمام لیل ونہار کے اوقات ہوں جیسے مشرق مغرب بول کر سارا عالم مراد لیا جاتا ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ انسان پر لازم ہے کہ ہمیشہ ہر حال میں ذکر وتلاوت کا پابند رہے۔
صبح وشام کا لفظ دائماً کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس سے مقصود ہمیشہ اور مسلسل اللہ کی یاد میں مشغول رہنا ہے۔ یہ اس سورت کی آخری نصیحت ہے جو سورت کے اختتام پر ارشاد فرمائی گئی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارا حال کہیں غافلوں میں نہ ہو جائے۔

حدیث: حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت ہر حال میں اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔

آخر آیت میں فرمایا گیا: وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ یعنی اللہ کی یاد کو چھوڑ کر غفلت والوں میں شامل نہ ہو جانا کہ یہ بہت بڑا خسارہ ہے۔

ذکر الٰہی سے نماز بھی مراد ہے: واقم الصلوٰة لذکری۔

دنیا میں جو بھی گمراہی پھیلی ہے اور انسان کے اخلاق واعمال میں جو فساد بھی رونما ہوا ہے اس کا سبب صرف یہ ہے کہ انسان اس بات کو بھول جاتا ہے کہ اللہ اس کا رب ہے اور وہ اس کا بندہ ہے اور دنیا میں اس کو آزمائش کے لیے بھیجا گیا ہے اور دنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد اسے اپنے رب کو حساب دینا ہوگا۔ پس جو شخص راہ راست پر چلنا چاہتا ہو اس کو سخت اہتمام کرنا چاہیے کہ وہ ذکر الٰہی سے غافل نہ ہو جائے۔ اسی لیے نماز، ذکر الٰہی اور رجوع الی اللہ کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔

حدیث: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے ایک سفر میں بلند آواز میں ذکر اور دعائیں کرنی شروع کردیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: أيها الناس اربعوا على أنفسكم انكم لا تدعون أصم ولا غائباً، إنكم تدعون سميعاً قريباً وهو معكم۔ اے لوگو! اپنے نفس کے ساتھ نرمی کرو (بہت زیادہ آواز میں اللہ کو نہ پکارو) تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، بلکہ تم ایک ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سننے والی' قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔ (بخاری، مسلم)

اللہ کی برگزیدہ ہستیوں کی صفات:

نیکی کے تکبر سے اجتناب

عبادت میں عاجزی اور اللہ کی حمد وثناء

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ۔ (اعراف۔206)

یقیناً جو لوگ اللہ کی بارگاہ میں مقرب ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے ہیں (یعنی اپنی نیکی کے گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہوتے)۔ اور وہ اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہتے ہیں۔ (اعراف۔206)

Verse of Sajdah (Prostration)

Surely those ⌜angels⌝ nearest to your Lord are not too proud to worship Him. They glorify Him. And to Him they prostrate. (7:206)

Sajdah or prostration is a proof that the person doing it has no pride or arrogance from being servant of Allah.

This verse is an Ayah of Sajdah (requiring the reciter and the listener to prostrate in Sajdah when convenient). There are total 14 Verses of Sajdah in the Holy Quran.

Hadith: Holy Prophet (PBUH) said: a servant of Allah is closest to his Lord when in sajdah (prostration). (Muslim)

Hadith: The Holy Prophet (PBUH) said: When a person recites a verse of Sajdah and then prostrates in Sajdah, the

Shaitan runs away saying: Alas, man was asked to prostrate in Sajdah and he obeyed, Paradise became his home, and I was asked to prostrate in Sajdah, but I disobeyed, Hell became my home. (Muslim)

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے مقرب لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتے ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ ہونا ہے، جس میں سب فرشتے اور تمام انبیاء کرامؑ اور صالحین امت شامل ہیں۔ عبادت میں تکبر نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھ کر اللہ کی عبادات میں کوتاہی نہیں کرتے بلکہ اپنے کو عاجز و محتاج سمجھ کر ہمیشہ اللہ کی یاد اور عبادت میں مشغول اور تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ اپنی سیاسی مصروفیات، علمی مصروفیات یا بزنس کی مصروفیات کے سبب فرض عبادات ترک نہیں کرتے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو دائمی عبادت اور ذکر الٰہی کی توفیق ہوتی ہے تو یہ اس کی علامت ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کے قریب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت ان کو حاصل ہے۔

سورہ الاعراف کی آخری آیت آیت سجدہ کہلاتی ہے۔ اس آیت کی تلاوت پر سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ تلاوت کرنے والے پر بھی اور تلاوت سننے والے پر بھی۔

حدیث: مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہ منقول ہے کہ جب ابن آدم کوئی آیت سجدہ پڑھتا ہے اور پھر سجدہ تلاوت کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا بھاگتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے افسوس انسان کو سجدہ کرنے کا حکم ملا اور اس نے تعمیل کرلی تو اس کا ٹھکانہ جنت ہوا، اور مجھے سجدہ کا حکم ہوا میں نے نافرمانی کی تو میرا ٹھکانہ جہنم ہوا۔

قرآن مجید میں کل چودہ سجدے والی آیات ہیں۔ یہ آیت ان میں پہلی ہے۔

سجدہ تلاوت کے احکامات

قرآن کریم کی تلاوت کے احکام میں سے ایک حکم سجدہ تلاوت بھی ہے۔

جب بھی سجدے والے والی آیت پڑھی جائے یا سنی جائے تو سجدہ تلاوت لازم (واجب) ہو جاتا ہے۔

جو چیزیں نماز کے لیے شرط ہیں وہ سجدہ تلاوت کے لیے بھی شرط ہیں، مثلاً وضو کا ہونا، جگہ کا پاک ہونا، بدن اور کپڑے کا پاک ہونا، قبلہ کی طرف رخ کرنا، وغیرہ۔

اگر تلاوت کے وقت فوری سجدہ ممکن نہ ہو تو بعد میں مناسب وقت پر یہ سجدہ کیا جاسکتا ہے۔

سجدہ تلاوت کا طریقہ

سجدہ تلاوت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بغیر ہاتھ اٹھائے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلا جائے۔ سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہہ کر اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھالے۔ سجدہ تلاوت کے بعد سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں، بس سجدہ تلاوت ادا ہو گیا۔

سجدہ کی عمومی فضیلت

یہاں عبادت نماز میں سے صرف سجدہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ تمام ارکان نماز میں سجدہ کو خاص فضیلت حاصل ہے۔

حدیث: صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ثوبانؓ سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جس سے میں جنت میں جاسکوں، حضرت ثوبان خاموش رہے، اس نے پھر سوال کیا، پھر بھی خاموش رہے، جب تیسری مرتبہ سوال کو دہرایا تو انہوں نے کہا کہ میں نے یہی سوال رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا۔ آپؐ نے مجھے یہ وصیت فرمائی کہ: **علیک بکثرت السجود**۔ کثرت سے سجدے کیا کرو کیونکہ جب تم ایک سجدہ کرتے ہو تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارا ایک درجہ بڑھادیتے ہیں اور ایک گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔

حدیث: صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ اپنے رب کے ساتھ سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب کہ بندہ سجدہ میں ہو، اس لئے تم سجدہ کی حالت میں خوب دعا کیا کرو کہ اس کے قبول ہونے کی بڑی امید ہے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ تنہا سجدہ کوئی معروف عبادت نہیں، اس لئے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک کثرت سجود سے مراد یہ ہے کہ کثرت سے نوافل پڑھا کریں، جتنی نماز زیادہ ہو گی اتنے زیادہ سجدے ہوں گے۔
لیکن اگر کوئی شخص تنہا سجدہ کرکے دعا کرلے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ سجدہ کے اندر دعا کرنے کی ہدایت نفلی نماز کے سجدوں کے لئے مخصوص ہے۔ فرض نماز کے سجدے میں صرف تسبیح یعنی سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنی چاہئے۔ البتہ نماز کے علاوہ اگر صرف نفلی سجدہ کیا جائے تو اس میں اپنی زبان میں اور اپنے الفاظ میں بھی دعا کی جاسکتی ہے۔

سورۃ الانفال

Chapter - 8: The Bounties

Meaning those things which acquired in addition to victory

سورہ انفال مدنی سورت ہے اور اس کی 75 آیات ہیں۔

غزوہ بدر پر مکمل تبصرہ

سورۃ انفال مدنی سورت ہے۔ اس سے پہلی سورت یعنی سورۃ اعراف میں قرآن وسنّت کی پیروی اور نبی اکرم ﷺ کے دعوتی مشن کا بیان تھا۔ اس کے علاوہ معاشرتی زندگی کے آداب کو بیان کیا گیا اور فساد فی الارض کی نشاندہی کی گئی تھی۔

اس سورت یعنی سورۃ انفال میں زیادہ تر مضامین غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابی جو اہل اسلام کے لئے احسان وانعام تھا اس کو بیان کیا گیا۔ چونکہ اس انعام کی سب سے بڑی وجہ مسلمانوں کا خلوص اور للّٰہیت اور ان کا باہمی اتفاق ہے اور یہ اخلاص واتفاق نتیجہ ہے۔ اس کے علاوہ اس سورت میں تقوٰی، حق کی پیروی، ذکر اللہ اور توکل علی اللہ کی بھی تعلیم دی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ سورۃ انفال غزوہ بدر کے بارے میں اتری ہے۔ انفال سے مراد غنیمتیں ہیں جو صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے ہی تھیں ان میں سے کوئی چیز کسی اور کیلئے نہ تھی۔ (بخاری)

Background and main topics of Surah

This Surah mainly contains the detailed and comprehensive review of the *Battle of Badr* which was the first battle between Islam and Quraish of Makkah.

During the first decade of the Prophethood at Makkah, the Message of Islam was spread mainly through the character of the Prophet (PBUH), who possessed the highest

qualities of character. He performed his Mission with wisdom, foresight, tolerance and forbearance. He had shown by his conduct that he had made up his mind to carry his mission to a successful end and, therefore, was ready to face all sorts of dangers and obstacles in the way. Secondly, the mission of Islam was so charming that it attracted the minds and hearts of the people irresistibly towards itself. So much so that all obstacles of ignorance, superstition and petty prejudices failed to check, the advancement of the Islamic Mission. That is why the Arab opponents of Islam had begun to reckon it as a serious matter and were determined to crush it with full force. It is true that the followers of Islam had endured the severest persecutions at the hands of the Quraish of Makkah. The Prophet and his companions had no choice left but to defend their fragile community from any oppression and injustice.

When Prophet (PBUH) migrated to Madinah, and the Muslim community started to grow and flourish, the Quraish were furious about the advancement of the Muslim community and wanted to crush the Muslims at every cost. Tensions between both parties remain high and eventually both parties met in combat at *Badr* on the 17th of Ramadan 2nd year of migration.

When the two parties confronted each other and the Holy Prophet noticed that the Quraish army outnumbered the Muslims by three to one and was much better equipped, So the Prophet (PBUH) raised his hands up in supplication (Dua) and made this earnest prayer with great humility:

"O Allah! Here are the Quraish proud of their worldly material: they have come to prove that the Messenger is false. O Allah! now send that success that you have

promised. O Allah! If these few people are destroyed, then there will be left none in the world to worship you."

After the Dua of the Prophet, all the companions who were listening the Dua said "Ameen".

Topics of Discussion

1. The moral weaknesses that had come to the surface in that expedition have been pointed out so that the Muslims should try their best to reform themselves.
2. The moral lesson of the conflict between the Truth and falsehood has been enunciated and the qualities which lead to success in a conflict have been explained.
3. It also gives instructions in regard to the spoils of war. The Muslims have been told not to regard these as their right but as a bounty from Allah. Therefore, they should accept with gratitude the share that is granted to them out of it and willingly accede to the share which Allah sets apart for His cause and for the help of the needy.
4. Then it also gives normal instructions concerning the Principles of Peace and War for these were urgently needed to be explained at the stage which the Muslim society had entered.
5. Sanctity of treaties has been enjoined and the Muslims commanded to observe them as long as the other party does not break them.
6. In order to keep the Muslims joined together against their enemies, they have been taught to have Unity and cordial relations with one another.

نویں پارے کاپندرہواں رکوع: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ۔۔۔ (انفال۔1)

رکوع کے تفسیری موضوعات

انفال یعنی مال غنیمت کے احکام، نبی اکرمؐ کی خاصیات واعزازات، باہمی تعلقات کی اصلاح(فاتقو اللہ واصلحو ذات بینکم)۔سچّے اہل ایمان کی صفات:خوف خدا، ایمان میں ترقی واضافہ، اللہ پر توکّل، اقامت صلوٰۃ، صدقہ وخیرات (اولئٰک ھم المومنون حقا)، ایمان کی حقیقت احادیث مبارکہ کی روشنی میں، معرکہ بدر، غزوہ بدر کا پس منظر اور پیش منظر، اللہ کے ہر کام میں حکمت، یوم بدر کے دن نبی کریمؐ کی دعا، حق کی فتح(لیحق الحق بکلامتہ)، فرشتوں کا نزول، اہل اسلام کی نصرت، اصل مددگار ہستی: صرف اللہ ربّ العالمین(وماالنّصر الّا من عند اللہ)۔

انفال(اموال غنیمت)کے احکامات

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔(انفال۔1)

آپ سے اَموالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ فرمادیجئے: اَموالِ غنیمت کے مالک اللہ اور رسولؐ ہیں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی معاملات کو درست رکھا کرو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کیا کرو اگر تم سچے ایماندار ہو۔

Bounties of war

They ask you ˹O Prophet˺ regarding the bounties of war. Say, "Their distribution is decided by Allah and His Messenger. So be mindful of Allah, settle your affairs, and obey Allah and His Messenger if you are ˹true˺ believers." (8:1)

The word *anfal*, which is the plural of nafl, stands for that which is extra. What is being conveyed here is that bounties of war are not a reward of war (reward of war will be in the hereafter). This is an extra reward they might receive from God.

اَنْفَال نَفَل کی جمع ہے جس کے معنی زیادہ یا اضافی کے ہیں۔ مثلاً نفل عبادت ایک اضافی عبادت ہے جس کا کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ شرعی اصطلاح میں انفال اس مال واسباب کو کہا جاتا ہے، جو دشمنان اسلام کے ساتھ جنگ میں حاصل ہو۔ اس کو مال

غنیمت بھی کہا جاتا ہے۔ اس کو نفل یعنی اضافی اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جو ایک اضافی انعام کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عطا فرمائی جو پچھلی امتوں کیلئے جائز نہیں تھی۔ یہ گویا امت مسلمہ کیلئے ایک اضافی چیز حلال کی گئی ہے۔ یہ جہاد کا معاوضہ نہیں بلکہ محض اللہ کی طرف سے اضافی انعام ہے جو جہاد کے ثواب یا اجر سے (جو آخرت میں ملے گا) ایک زائد چیز ہے جو دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔

یہ جنگ کے سلسلہ میں ایک بہت بڑی اخلاقی اصلاح تھی۔ مسلمان کی جنگ دنیا کے مادی فائدے بٹورنے کیلئے نہیں ہوتی بلکہ دنیا کے اخلاقی و تمدنی بگاڑ کو اس اصول حق کے مطابق درست کرنے کے لیے ہے، جسے مجبوراً اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جبکہ مزاحم قوتیں دعوت و تبلیغ کے ذریعہ سے اصلاح کو ناممکن بنا دیں۔

پھر یہ جنگ کے سلسلہ میں ایک بہت بڑی انتظامی اصلاح بھی تھی۔ قدیم زمانہ میں طریقہ یہ تھا کہ جو مال جس کے ہاتھ لگتا وہی اس کا مالک قرار پاتا۔ یا پھر بادشاہ یا سپہ سالار تمام غنائم پر قابض ہو جاتا۔ پہلی صورت میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ فتح یاب فوجوں کے درمیان اموال غنیمت پر خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔ اسی طرح جنگ کے رضاکاروں اور سپاہیوں کو چوری کی عادت پڑ جاتی اور وہ مال غنیمت کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ قرآن مجید نے انفال کو اللہ اور رسول کا مال قرار دے کر اور قواعد و ضوابط مقرر کر کے وہ ساری خرابیاں دور کر دیں جو جاہلیت کے طریقہ میں تھیں۔

اس مقام پر ایک لطیف نکتہ اور بھی ذہن میں رہنا چاہیے، یہاں انفال کے قصے کو صرف اتنی بات کہہ کر ختم کر دیا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ہیں۔ تقسیم کے مسئلے کو یہاں نہیں چھیڑا گیا تاکہ پہلے تسلیم و اطاعت مکمل ہو جائے۔ پھر چند رکوع کے بعد بتایا گیا کہ ان اموال کو تقسیم کس طرح کیا جائے۔ اسی لیے یہاں انہیں "انفال" کہا گیا ہے اور رکوع 5 میں جب تقسیم کا حکم بیان کرنے کی نوبت آئی تو انہی اموال کو "غنائم" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (اگر تم سچے ایماندار ہو): اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ تینوں باتوں پر عمل بغیر ایمان مکمل نہیں۔ اس سے تقویٰ، اصلاح ذات البین اور اور اللہ، رسول کی اطاعت کی اہمیت واضح ہے خاص طور پر مال غنیمت کی تقسیم میں ان تینوں امور پر عمل نہایت ضروری ہے کیونکہ مال کی تقسیم میں باہمی فساد کا بھی شدید اندیشہ رہتا ہے اس کے علاج کے لئے اصلاح ذات البین پر زور دیا۔ ہیرا پھیری اور خیانت کا بھی امکان رہتا ہے اس کے لیے تقوی کا حکم دیا۔ اس کے باوجود بھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس کا حل اللہ اور رسولؐ کی اطاعت میں مضمر ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی خاصیات اور اعزازات

حدیث: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ نے باقی انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں میں فضیلت عطاء فرمائی ہے یعنی مجھے ایسی چھ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں:

مجھے جوامع الکلم (جامع کلمات) دیے گئے ہیں،

اور مجھے رعب عطا کر کے میری مدد فرمائی گئی ہے۔

مال غنیمت کو میرے لیے حلال کیا گیا ہے۔

پوری زمین کو میرے لیے پاکیزہ اور مسجد (سجدے، نماز کیلئے موزوں) بنایا گیا ہے،

مجھے ساری انسانیت کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے،

اور سلسلہ رسالت و نبوت مجھ پر ختم فرمادیا گیا۔ (مسلم)

باہمی تعلقات کی اصلاح

سورہ انفال کی پہلی آیت میں باہمی تعلقات کی اصلاح پر زور دیا گیا:

فاتّقو اللہ و اصلحو ذات بینکم۔

اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی معاملات / تعلقات کی اصلاح کرو۔ (انفال۔1)

Mend your mutual disputes

So be mindful of Allah and settle your affairs. (8:1)

سچے اہل ایمان کی صفات

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُہُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْہِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْہُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّہِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰہُمْ یُنْفِقُوْنَ۔

سچے اہلِ ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سُن کر لرز جاتے ہیں۔اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں۔ جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔۔(انفال۔2،3)

Characteristics of Believers!

The ˹true˺ believers are only those whose hearts tremble at the remembrance of Allah, whose faith increases when His revelations are recited to them, and who put their trust in their Lord. ˹They are˺ those who establish prayer and donate from what We have provided for them. (8:1.2)

ان آیات میں ان مخصوص مومنانہ صفات کو بیان کیا گیا جو ہر بندہ مومن میں ہونی چاہئیں۔اس میں اشارہ ہے کہ ہر مومن اپنی ظاہری اور باطنی کیفیت کا جائزہ لیتا رہے اگر یہ صفات اس میں موجود ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ اس نے اس کو مؤمنین کی صفات عطا فرما دی۔اور اگر ان میں سے کوئی صفت موجود نہیں یا ہے مگر ضعیف و کمزور ہے تو اس کے حاصل کرنے یا قوی کرنے کی فکر میں لگ جائے۔

پہلی صفت خوف خدا

ان صفات میں پہلی صفت خوف خدا بیان فرمائی۔فرمایا:اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔یعنی جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت ان کے دلوں میں رچی اور بھری ہوئی ہے جس کا ایک تقاضا خوف خدا ہے۔قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں اس کا ذکر کر کے اہل محبت کو بشارت دی گئی ہے:وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ، الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔یعنی خوشخبری دے دیجئے ان متواضع نرم خو لوگوں کو جن کے دل ڈر جاتے ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس جگہ اللہ کے ذکر اور یاد سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی گناہ کے ارتکاب کا ارادہ کر رہا تھا اسی حال میں اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد آ گئی تو وہ اللہ کے عذاب سے ڈر گیا۔اور گناہ سے باز آ گیا۔اس صوررت میں خوف سے مراد خوف عذاب ہی ہو گا۔(بحر محیط)

دوسری صفت:ایمان میں ترقی

مؤمن کی دوسری صفت یہ بتلائی کہ جب اس کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایمان بڑھنے کے معنی جن پر سب علماء مفسرین و محدثین کا اتفاق ہے یہ ہیں کہ ایمان کی قوت و کیفیت اور نور ایمان میں ترقی ہو جاتی ہے۔ اور تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اعمال صالحہ سے ایمان میں قوت اور ایسا شرح صدر پیدا ہو جاتا ہے کہ اعمال صالحہ سے طبعی محبت ہو جاتی ہے جن کے چھوڑنے سے اس کو دکھ ہوتا ہے۔ اور گناہ سے اس کو طبعی نفرت پیدا ہو جاتی ہے کہ گناہ کے قریب جانا بھی گوارا نہیں ہوتا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ:

واذاحلت الحلاوة قلبا نشطت فی العبادة الاعضاء

یعنی جب کسی دل میں ایمان کی حلاوت آجاتی ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں اور سب اعضاء عبادت میں راحت و لذت محسوس کرنے لگتے ہیں۔

سچے اہل ایمان کی یہ خاص صفت ہے کہ جب وہ آیات الٰہی سنتے ہیں تو ان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ اپنے ایمان کی تصدیق میں بڑھ جاتے ہیں۔ اپنے رب پر سچا اعتماد اور توکل رکھتے ہیں۔ ان کے اندر خود خدا ہوتا ہے۔ اوامر و نواہی کا لحاظ رکھتے ہیں۔ جیسے ارشاد باری ہے: والذین اذا فعلو فاحشتہ او ظلمو انفسھم۔۔ کہ ان سے اگر کوئی برائی سرزد ہو بھی جاتی ہے تو اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر اپنے گناہ سے استغفار کرتے ہیں۔ حقیقت میں سوائے اللہ کے کوئی گناہوں کا بخشنے والا بھی نہیں۔ یہ لوگ کسی گناہ کا اعادہ نہیں کرتے۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جب یہ ظلم کرنے یا گناہ کرنے ارادہ کریں لیکن اگر ان سے کہا جائے کہ خوف خدا کرو تو یہ اللہ کے ڈر کی وجہ سے گناہوں سے باز آجاتے ہیں۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک بندہ مومن کی یہ صفت ہونی چاہئے کہ جب اس کے سامنے قرآن مجید کی آیات پڑھی جائیں تو اس کے ایمان میں جلاء و ترقی ہو اور نیک اعمال کی طرف رغبت پیدا ہو۔

اس آیت سے یہ نکتہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس طرح عام مسلمان قرآن پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں کہ نہ قرآن کے ادب و احترام کا کوئی اہتمام ہے نہ اللہ تعالیٰ کی عظمت پر نظر ہے ایسی تلاوت نزول قرآن کے مقصد کو پورا نہیں کرتی اگرچہ ثواب سے وہ بھی خالی نہیں۔

تیسری صفت اللہ پر توکل

اہل ایمان کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ توکل کے معنی اعتماد اور بھروسہ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے تمام اعمال و احوال میں ان کا مکمل اعتماد اور بھروسہ صرف ذات واحد حق تعالیٰ پر ہوتا ہے۔

حدیث: صحیح حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس توکل کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنی ضروریات کے لئے مادی اسباب اور تدابیر کو ترک کرکے بیٹھ جائے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مادی اسباب وذرائع کو اصل کامیابی کے لئے کافی نہ سمجھے بلکہ بقدر قدرت وہمت مادی اسباب اور تدابیر اختیار کرنے کے بعد معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور سمجھے کہ اسباب بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان اسباب کے ثمرات بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ ایک حدیث میں فرمایا: اجملوا فی الطلب وتوکلوا علیہ۔ یعنی رزق اور اپنی حاجات کے حاصل کرنے کے لئے متوسط درجہ کی طلب اور مادی اسباب کے ذریعہ کوشش کرلو پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو۔ اپنے دل دماغ کو صرف مادی تدبیروں اور اسباب ہی میں نہ الجھا کر رکھو۔

دو مومنانہ صفات: نماز کی پابندی اور صدقہ وخیرات

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ (انفال۔3)

جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

Prayer and Charity

They are` those who establish prayer and donate from what We have provided for them. (8:3)

The acts of righteousness mentioned in above verses are among the characteristics of faithful believers. The most important duty of a Muslim is to establish prayer, which is Allah's right. Establishing the prayer requires making ablution perfectly, adhering to prayer timings, performing prayer with full concentration. There is also collective responsibility of the local Muslim community to arrange prayer facilities e.g. building a masjid where needed.

Spending from what Allah has granted includes obligatory charity like giving the Zakah or advisory charity like Sadaqa or Lillah which is recommended.

Hadith: All of the servants are Allah's dependents, and the most beloved among them to Him are the most beneficial to His creation.

چوتھی صفت اقامت صلوۃ

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ: اہل ایمان کی ایک خاص صفت اقامت صلوٰۃ ہے۔اس میں یہ بات یادرکھنے کے قابل ہے کہ یہاں نماز پڑھنے کا نہیں بلکہ نماز کی اقامت کا ذکر ہے۔اقامت کے لفظی معنی کسی چیز کو سیدھا کھڑا کرنے کے ہیں۔مراد اقامت صلوۃ سے یہ ہے کہ نماز کے پورے آداب وشرائط اس طرح بجالائے جس طرح نبی کریم ﷺ نے قول وعمل سے بتلائے ہیں۔آداب وشرائط میں کوتاہی ہوئی تو اس کو نماز پڑھنا تو کہہ سکتے ہیں مگر اقامت صلوۃ نہیں کہہ سکتے۔

پانچویں صفت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

پانچویں صفت مردمومن کی یہ بیان فرمائی کہ: وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کو رزق دیا ہے وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا عام ہے تمام صدقات وخیرات اور وقف وصلہ کو جس میں زکوٰۃ، صدقۃ الفطر وغیرہ واجبات شرعی بھی داخل ہیں اور نفلی صدقات وتبرعات بھی، مہمانوں، دوستوں، بزرگوں کی مالی خدمت بھی۔

یہ سچے ایماندار حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھتے ہیں۔انفاق فی سبیل اللہ کرکے مخلوق خدا کی خدمت کرتے ہیں۔

حقیقی مومن یہ لوگ ہیں!

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔ (انفال۔4)

(حقیقت میں) یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لئے ان کے رب کی بارگاہ میں بڑے درجے ہیں، گناہوں سے درگزر اور بہترین رزق ہے۔

Such people (who possess above qualities) are indeed true believers. They will have elevated ranks, forgiveness, and an honourable provision from their Lord. (8:4)

Even the best and the most devoted believers are liable to commit lapses. A human being is a human being, so it is impossible for a person’s record to be filled exclusively with righteousness of the highest order and to be free from all lapses, shortcomings and weaknesses. Out of His infinite mercy, however, God overlooks man’s

shortcomings as long as he fulfils the basic duties incumbent upon him as God's servant and favours him with a reward far greater than that warranted by his good works. Had it been a rule that a person would be judged strictly on the basis of his deeds, that he would be punished for every evil deed and rewarded for every good deed, no person, howsoever righteous, would have escaped punishment.

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا: مردمومن کی خاص صفات بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ ایسے ہی لوگ سچّے مومن ہیں جن کا ظاہروباطن یکساں اور زبان اور دل متفق ہیں ورنہ جن میں یہ صفات نہیں وہ زبان سے تواشھد ان لآ الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد الرسول اللہ کہتے ہیں مگر ان کے دلوں میں نہ توحید کا رنگ ہے اور نہ اطاعت رسول کا جذبہ۔ان کے اعمال ان کے اقوال کی تردید کرتے ہیں۔اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے جب وہ حاصل نہ ہو تو وہ چیز بے معنی ہوجاتی ہے۔

ایمان کی حقیقت حدیث مبارکہ کی روشنی میں!

حدیث: طبرانی میں ہے کہ حارث بن مالک انصاری ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گذرے تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا: کیف اصبحت کہ تمہاری صبح کس حال میں ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا کہ سچے مومن ہونے کی حالت میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سوچ لو تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہر چیز کی حقیقت ہوا کرتی ہے۔جانتے ہو ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ جواب دیا کہ یارسول اللہ! میں نے اپنی خواہشیں دنیا سے الگ کرلیں ہیں۔راتیں یاد الٰہی میں جاگ کر اور دن اللہ کی راہ میں بھوک پیاس برداشت کرکے گذارتا ہوں۔گویا میں عرش الٰہی کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھتا ہوں اور گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آپس میں ہنسی خوشی ایک دوسرے سے مل جل رہے ہیں اور گویا کہ میں اہل دوزخ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آتش دوزخ میں اپنے اعمال کی سزاء بھگت رہے ہیں (یعنی جنت دوزخ پر سچّا ایمان رکھتا ہوں)۔آپؐ نے فرمایا! اے حارثہ تو نے ایمان کی حقیقت جان لی۔پس اسی حال پر ہمیشہ قائم رہنا۔

تفسیر ابن عباس: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما بیان فرماتے ہیں منافقوں کے دل میں نہ فرض کی ادائیگی کے وقت ذکر اللہ ہوتا ہے نہ کسی اور وقت پر۔نہ ان کے دلوں میں ایمان کا نور ہوتا ہے نہ اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے۔نہ تنہائی میں نمازی رہتے ہیں نہ اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں، ایسے لوگ ایمان سے خالی ہوتے ہیں لیکن ایماندار ان کے برعکس ہوتے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کہ کیا آپ مومن ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! ایمان دو قسم کے ہیں۔ تمہارے سوال کا مطلب اگر یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر اور جنت دوزخ اور قیامت اور حساب کتاب پر ایمان رکھتا ہوں تو جواب یہ ہے کہ بیشک میں مومن ہوں۔ اور اگر تمہارے سوال کا مطلب یہ ہے کہ میں وہ مومن کامل ہوں جس کا ذکر سورۃ انفال کی آیات میں ہے تو مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں ان میں داخل ہوں یا نہیں۔

فرمایا کہ جن میں یہ اوصاف ہوں: اولئک ھم المومنون حقا۔۔ ان صفات کے حامل لوگ سچے ایماندار ہیں۔ (بحوالہ ابن کثیرؒ)

لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ: ایسے اہل ایمان کیلئے ان کے رب کی بارگاہ میں درجات اور بخشش ہے۔ اس میں سچے مومنین کے لئے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا۔ ایک درجات عالیہ دوسرے مغفرت، تیسرے پاکیزہ رزق۔

تفسیر بحر محیط میں ہے کہ اس سے پہلی آیات میں سچے مومنین کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ تین قسم کی ہیں، ایک وہ جن کا تعلق قلب اور باطن کے ساتھ ہے جیسے ایمان۔ خوف خدا۔ توکل علی اللہ، دوسرے وہ جن کا تعلق جسمانی اعمال سے ہے جیسے نماز وغیرہ۔ تیسرے وہ جن کا تعلق انسان کے مال سے ہے جیسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ ان تینوں قسموں کے بالمقابل تین انعامات کا ذکر آیا ہے۔ ایمان کا اجر درجات کی بلندی، عبادات کا اجر مغفرت جیسے نماز گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور رزق کریم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے اجر کے طور پر کہ جو کچھ خرچ کیا اس سے بہت بہتر اور بہت زیادہ اس کو آخرت میں ملے گا۔

آیت کا مدعا یہ ہے کہ غلطیاں اور گناہ انسانوں سے ہی ہوتے ہیں۔ قصور بڑے سے بڑے اور بہتر سے بہتر اہل ایمان سے بھی سرزد ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں، اور جب تک انسان انسان ہے یہ محال ہے کہ اس کا نامہ اعمال سراسر نیک اعمال پر ہی مشتمل ہو اور لغزش، کوتاہی، خامی سے بالکل خالی رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے یہ بھی ایک بڑی رحمت ہے کہ جب انسان بندگی کی لازمی شرائط پوری کر دیتا ہے تو اللہ اس کی کوتاہیوں، عیبوں اور لغزشوں سے چشم پوشی فرماتا ہے اور اس کی خدمات جس صلے کی مستحق ہوتی ہیں اس سے کچھ زیادہ صلہ اپنے فضل سے عطا کرتا ہے۔ ورنہ اگر قاعدہ یہ ہو کہ ہر قصور کی سزا اور ہر خدمت کی جزا الگ الگ دی جائے تو کوئی بڑے سے بڑا صالح بھی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

آیات کا خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں ایمان کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اہل ایمان کی خاص صفات بیان کی گئی ہیں:

1۔اللہ ورسولؐ دونوں کی اطاعت کرتے ہیں نہ کہ صرف اللہ کی یعنی قرآن کی۔اہل ایمان قرآن وسنّت دونوں کو اپنے دین کی بنیاد بناتے ہیں۔

2۔اللہ کا ذکر سن کر، اللہ کی جلالت وعظمت سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔

3۔تلاوت قرآن سے ایمان کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے۔

4۔اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔توکل کا مطلب ہے ظاہری اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔

5۔نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

6۔اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔

ان صفات کے حاملین کے لئے اللہ کی طرف سے سچے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ اور تین انعامات کا ذکر آیا ہے۔پہلا انعام درجات کی بلندی، دوسرا انعام مغفرت اور تیسرا انعام بابرکت رزق۔

(جَعَلَنَا اللّٰہُ مِنْھُمْ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شمار فرمالے۔آمین)

بدر کا معرکہ

Who is on the right side?

Divine Verdict – Victory of Truth

Defeat to falsehood

Battle of Badr – 17 Ramadan

غزوہ بدر کا پس منظر

جنگ بدر جو 17 رمضان المبارک 2 ہجری میں ہوئی دشمنان اسلام کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی جنگ تھی۔سورۃ انفال کی بیشتر آیات اسی غزوہ بدر کے پس منظر میں نازل ہوئیں۔

The event of the battle of Badr which has been described in the coming verses contains many lessons, advice and wisdom both for those who adhere to Islam and those who believe otherwise.

It is a fact that the unbelievers of Makkah were defeated in the encounter of Badar despite their numerical and logistic strength. The real reason behind their defeat was that they had chosen to show hostility towards Allah and His Messenger.

In the encounter of Badar, there is a lesson for people who bypass the most perfect power of Allah - the power that is visible and the power that is invisible.

اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ۔ (انفال۔5)

(یہ انفال کا معاملہ ایسا ہی ہے) جیسا کہ آپ کے پروردگار نے (جنگِ بدر میں) حق کے ساتھ آپ کو آپ کے گھر سے نکالا۔ حالانکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔

Wisdom behind every act of God!

Similarly, when your Lord brought you ˹O Prophet˺ out of your home for a just cause. Indeed, some people among the believers were against it (they had a different opinion). (8:5)

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ: آپؐ کے پروردگار نے (جنگِ بدر میں) حق کے ساتھ آپ کو اپنے گھر سے نکالا۔ قرآن کا یہ ارشاد ضمناً ان تاریخی روایات کی تردید کر رہا ہے جو جنگ بدر کے سلسلے میں عموماً کتب سیرت و مغازی میں نقل کی جاتی ہیں، یعنی یہ کہ ابتداءً نبی ﷺ اور صحابہ کرام قافلے کو لوٹنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے بعد میں ارادہ بدل لیا اور لشکر قریش سے مقابلہ کا عزم کر لیا۔ قرآن یہاں بتا رہا ہے کہ جس وقت نبی کریم ﷺ مدینہ سے نکلے تھے اسی وقت یہ مقصد آپ کے پیش نظر تھا کہ قریش کے لشکر سے فیصلہ کن مقابلہ کیا جائے۔ اور یہ مشاورت بھی اسی وقت ہوئی تھی کہ قافلے اور دشمن کے لشکر میں کس کو حملہ کے لیے منتخب کیا جائے۔ بالآخر آخری رائے یہ قرار پا گئی کہ لشکر ہی کی طرف چلنا چاہیے۔ اس پر کچھ لوگوں نے اختلاف رائے کیا۔ اس طرح آپؐ کا مدینہ سے نکلنا اور پھر آگے چل کر تجارتی قافلے کے بجائے، لشکر قریش سے ٹکراؤ ہو جانا اگرچہ بعض طبائع کے لئے ناگوار تھا لیکن اس میں بھی بلآخر مسلمانوں ہی کی بہتری تھی۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ: یہ ناگواری لشکر قریش سے لڑنے کے معاملے میں تھی، جس کا اظہار چند افراد کی طرف سے ہوا اور اس کی وجہ صرف بے سروسامانی تھی۔ اس کا تعلق جہاد سے روگردانی ہرگز نہیں ہے۔ صرف جنگی حکمت عملی اپنانے میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف رائے ہوا جو ایک انسانی معاشرے میں بالکل ایک فطری عمل ہے۔ ان چند افراد کی مختلف رائے کو اصطلاح میں اجتہادی غلطی یا

Error of Judgement

بھی کہا جاسکتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک شاذ قول یہ بھی ہے اس آیت سے مراد مشرک لوگ ہیں جو حق میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ اسلام کا ماننا ان کے نزدیک ایسا ہے جیسے دیکھتے ہوئے موت کے منہ میں کودنا۔

آیت کا شان نزول: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینے میں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کے قافلے کے خلاف مہم جوئی کیلئے تیار کیا۔ دو دن کے سفر کے بعد راستے میں خبر ملی کہ قریش پوری جنگ کی تیاری کے ساتھ آرہے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا کہ قریش کو تمہارے چلنے کا علم ہو گیا ہے اور وہ تم سے لڑنے کیلئے آرہے ہیں۔ ان سے جنگ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ ہم ان سے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپؐ نے پھر یہی سوال کیا اور ہم نے پھر یہی جواب دیا۔ اس پر حضرت مقداد بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ کا جو بھی حکم ہو آپؐ اسے انجام دیجئے ہم جان و مال سے آپ کے ساتھ ہیں اور ہر طرح فرمانبردار ہیں۔ ہم بنو اسرائیل کی طرح نہیں کہ اپنے نبی سے کہہ دیں: اذهب انت وربك فقاتلا، انا ههنا قاعدون۔ کہ آپ اور آپ کا رب جاکر لڑائی کرو، ہم یہاں بیٹھ کر تماشا دیکھتے ہیں۔ نہیں بلکہ ہمارا یہ قول ہے کہ اللہ کی مدد کے ساتھ چلئے جنگ کیجئے ہم آپکے ساتھ ہیں اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپ برک غماد تک یعنی حبشہ کے ملک تک بھی چلیں تو ہم آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت مقداد کے اس جواب کو پسند فرمایا اور ان کو بڑی دعائیں دیں۔ حضرت ابوایوب انصاری فرماتے ہیں کہ اس پر ہمیں بڑا ہی رشک ہونے لگا کہ کاش یہی جواب ہم بھی دیتے (تاکہ آپؐ کی دعائیں ہمیں بھی مل جاتیں)۔۔ پس یہ آیت اتری۔ (بحوالہ ابن کثیرؒ)

غزوہ بدر کا پس منظر

حق کی صداقت کا اظہار

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ۔ (انفال۔7)

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں (ابوسفیان یا ابوجہل) میں سے ایک (سے مقابلہ) تمہارے لئے بہر حال ہے اور تم چاہتے تھے کہ وہ طاقت والا گروہ نہ ہو اور اللہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کو ثابت کر دے اور کفاّر (یعنی مشرکین مکہ کی شان و شوکت) کو جڑ سے ختم کر دے۔

Event of Badr: Establishing the truth

⌜Remember⌝ when Allah promised you one of the two groups – that it would be yours – and you wished that the unarmed one would be yours. But Allah intended to establish the truth by His words and to eliminate the disbelievers. (8:7)

After many years of persecution in Makkah, the Prophet (PBUH) and many of his early followers decided to emigrate to Medina about 250 miles to the north, leaving behind their homes and valuables, which were soon taken over by the pagans of Makkah. To avenge this financial loss, the Prophet decided to take over a trade caravan headed by a Pagan chief named Abu Sufyan. The caravan escaped but managed to mobilize an army of over 1000 well-armed soldiers, more than three times the size of the Muslim force. Many Muslims had hoped to take over the caravan without encounter with the armed enemy.

This gives some idea of the prevalent situation at the time. The march of the Quraysh towards Madina with 1000 armed soldiers meant that only one of the two would survive in Arabia – either Islam or the entrenched system of *Jahiliya* (Ignorance). Had the Muslims not taken up the challenge, the very survival of Islam would have been imperilled. Therefore, the battle of *Badar* was actually a battle of survival for Muslims.

Eventually Muslims and pagans of Makkah had a formal battle in the area of *Badr*. Although the Muslims were vastly outnumbered and lightly armed, they still won this decisive battle. This battle took place on the 17th Ramadan 2 AH and known as Battle of Badr.

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ تو علیم خبیر اور ہر کام کے آغاز وانجام سے باخبر ہیں ان کی طرف سے اس مبہم وعدہ میں کیا مصلحت تھی کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر مسلمانوں کا غلبہ ہو گا۔ وہ ان میں سے کسی ایک کو متعین کر کے بھی فرما سکتے تھے فلاں کہ جماعت پر فتح یا غلبہ ہو جائے گا۔

اس ابہام کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں صحابہ کرام کا امتحان مقصود تھا کہ آسان کام کو پسند کرتے ہیں یا مشکل کو۔ یہ ان کی اخلاقی تربیت کا حصہ تھی۔ اس کے ذریعے انہیں عالی ہمت اور بہادر بنا کر اعلیٰ مقصد کی خاطر جدوجہد اور خطرات سے نہ گھبرانے کی تربیت دی گئی۔

غزوہ بدر: حق کی فتح

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۔ (انفال۔8)

تا کہ اللہ تعالیٰ (غزوہ بدر میں کامیابی کے ذریعے) حق کو ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے اگرچہ گناہگار ناراض ہوں۔

The truth prevails!

(The victory in the encounter of Badar was) to prove the truth to be true and the false to be false, however the wrong doers might dislike it. (8:8)

The verses cited above describe the event of Badr and point out to blessings which descended upon Muslims in the form of Divine help and support during and after the event of Badr. Muslims took the initiative and dealt a severe blow to the strength of the Quraysh, So, it became possible for Islam to consolidate itself and subsequently the forces of Ignorance suffered a succession of humiliating reverses.

لیکن اللہ اس کے برعکس یہ چاہتا تھا کہ لشکر قریش سے تمہاری جنگ ہو تاکہ مشرکین مکہ کی ظاہری شان شوکت ٹوٹ جائے چاہے یہ بات انہیں کتنی ہی ناگوار ہی ہو۔ لشکر قریش کے نکل آنے سے دراصل سوال یہ پیدا ہو گیا تھا کہ دین اسلام اور نظام جاہلیت دونوں میں سے کس کو عرب میں زندہ رہنا ہے؟ اگر مسلمان اس وقت مردانہ وار مقابلہ کے لیے نہ نکلتے تو مسلمانوں کیلئے بقاء کا کوئی موقع باقی نہ رہتا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت فی الواقع صورت حال کیا رونما ہوگئی تھی۔ بدر کی شاندار فتح سے اسلام کو قدم جمانے کا موقع مل گیا اور پھر اس کے مقابلہ میں نظام جاہلیت مسلسل شکست کھاتا ہی چلا گیا۔

غزوہ بدر میں نصرت الٰہی

بدر والے دن فرشتوں کا اترنا

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۔ (انفال۔9)

(اور وہ وقت یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی (اور فرمایا) کہ میں ایک ہزار پے در پے آنے والے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد کرنے والا ہوں۔

Dua for help and Descension of angles!

⌜Remember⌝ when you asked help of your Lord, and He answered you, “Indeed, I will reinforce you with a thousand from the angels, following one another. (8:9)

Dua of Prophet on the day of Badr: “O Allah! let the promise You have made to me comes true now. O Allah, if this modest group of Muslims were to perish, then, on Your earth, there shall remain no one to worship You”.

After the Dua of the Prophet, all the companions who were listening the Dua said “Ameen”.

While making Dua the sheet wrap around the Prophet’s shoulders slided down. Hazrat Abu Bakar (May Allah be pleased with him) stepped forward and put the sheet back on his blessed body and said to him: O Prophet of Allah! please worry no more. Allah (swt) will surely respond to your prayer and fulfil His promise. (Bukhari)

غزوہ بدر کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ آپ کے رفقاء صرف 313 ہیں اور وہ بھی اکثر غیر مسلح ہیں اور مقابلہ پر تقریباً ایک ہزار جوانوں کا مسلح لشکر ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بارگاہ میں نصرت و مدد کی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ آپ دعا مانگتے تھے اور صحابہ کرام آپ کے ساتھ آمین کہتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے آنحضرت ﷺ کی دعا کے یہ کلمات نقل فرمائے ہیں۔

بدر والے دن نبی اکرم ﷺ کی دعا

حضور اکرم ﷺ نے میدانِ بدر میں اپنے جاں نثار صحابہ کرام کو دیکھا اور ان کی کم تعداد اور بے سروسامانی کو بھی دیکھا تو بارگاہِ خداوندی میں یوں دعاء کی: اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے، وہ وعدہ پورا فرما۔ اے اللہ! اگر آج یہ مٹھی بھر ایمان والے ہلاک ہو گئے تو پھر قیامت تک تمام روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔

نبی کریمؐ کی اس دعا پر وہاں موجود تمام صحابہ کرام نے آمین کہا۔

نبی اکرم ﷺ کچھ اس طرح خشوع و خضوع سے دعا کر رہے تھے کہ آپؐ کی چادر مبارک آپ کے دوش اقدس سے گر گئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر مبارک اٹھا کر آپ کے کاندھے مبارک پر دوبارہ ڈال دی اور عرض کی: یا رسول اللہؐ! آپ فکر مند نہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے جو فتح عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، وہ ضرور پورا فرمائے گا۔ (بخاری)

آیت میں اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ کے الفاظ سے یہی دعا کا واقعہ مراد ہے۔ یہ دعا اگرچہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے تھی مگر تمام صحابہ آمین کہہ رہے تھے اس لئے پوری جماعت کی طرف منسوب کیا گیا۔

حافظ حدیث ابویعلی نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ غزوہ بدر کی اس رات میں ہم میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو سو نہ گیا ہو۔ صرف رسول اللہ ﷺ تمام رات بیدار رہ کر صبح تک نماز تہجد میں مشغول رہے۔

اور ابن کثیر نے بحوالہ صحیح نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس رات میں جب کہ اپنے عرش یعنی سائبان میں نماز تہجد میں مشغول تھے آپ کو بھی کسی قدر اونگھ آ گئی مگر فوراً ہی مسکراتے ہوئے بیدار ہو گئے اور یہ آیت پڑھتے ہوئے باہر تشریف لے گئے: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ یعنی عنقریب دشمن کی جماعت ہار جائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود نقل کیا ہے کہ جنگی حالات میں نیند اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن واطمینان کی نشانی ہوتی ہے۔ اور نماز میں نیند شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ (ابن کثیر)

فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ: اس کے بعد اس دعا کی قبولیت کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری فریاد سن لی اور فرمایا کہ ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری نصرت کروں گا جو یکے بعد دیگرے قطار کی صورت میں آنے والے ہوں گے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ فرشتوں کی اتنی بڑی تعداد مدد کیلئے بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی صرف ایک فرشتہ بھی کافی تھا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی فطرت اور نفسیات سے واقف ہیں کہ وہ تعداد سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔زیادہ تعداد ایک نفسیاتی دباؤ رکھتی ہے۔مسلمان بھی مقابل فریق کی زیادہ تعداد سے فکر مند تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے دشمن کی تعداد کے مطابق فرشتوں کی تعداد بھیجنے کا وعدہ فرمایا تاکہ صحابہ کرام کے قلوب پوری طرح مطمئن ہو جائیں۔

غزوہ بدر میں شریک ہونے والوں کی فضیلت

امام بخاریؒ باب شهود الملائکه بدر میں ایک حدیث روایت فرماتے ہیں کہ جبرئیل نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہا تم اہل بدر کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو، آپؐ نے فرمایا: ہم ان کو افضل المسلمین سمجھتے ہیں۔ تو جبرئیل نے کہا اسی طرح ہم فرشتوں میں سے جو بدری تھے، ان کو فرشتوں میں افضل سمجھتے ہیں۔(بخاری)

فضائے بدر

اصل مددگار ہستی: صرف اللہ ربّ العالمین!

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔(انفال۔10)

اور یہ (فرشتوں کے اترنے کی) تو اللہ تعالیٰ نے صرف بشارت دی تھی تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائے۔ حقیقت میں مدد تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کر سکتی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

The real Helper is Only Allah (swt)!

Allah ordained this 'Descension of angles' only as good news for you and reassurance for your hearts. And help comes only from Allah—the Almighty, All-Wise. (8:10)

The point mentioned in this verse is that all help, whatever and from wherever it may be, open or secret, is from Allah

(swt) alone and through His power and control only. The help and support of angels is also subject to nothing but His command. Therefore, all believers must look up to none but the most pristine Being of Allah who is One and with Whom there is no partner or associate - because He is the possessor of Power and Wisdom at its greatest.

In view of the general principle propounded in the Qur'an we presume that the angels did not take part in the actual fighting. What we may suggest is that the angels helped the companions and as a result their struggle against the enemy became more accurate and effective.

یعنی فرشتوں کا نزول تو صرف خوشخبری اور تمہارے دلوں کے اطمینان کے لئے تھا ورنہ اصل مدد تو اللہ کی طرف سے تھی جو فرشتوں کے بغیر بھی تمہاری مدد کر سکتا تھا۔ اس آیت کے ان الفاظ سے یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ معرکہ بدر میں فرشتے سرے سے اترے ہی نہیں۔ غزوہ بدر میں فرشتوں کا اترنا اور اہل اسلام کی فتح میں کردار ادا کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ فرشتوں کے اترنے سے متعلق قرآن مجید میں تین طرح کی مدد کا وعدہ کیا گیا اور ہر مدد کے ساتھ ایک خاص صفت کا ذکر ہے۔ سورۃ انفال کی آیت جس میں ایک ہزار کا وعدہ ہے اس میں تو ان ملائکہ کی صفت میں مُرْدِفِيْنَ فرمایا ہے جس کے معنی ہیں پیچھے لگانے والے اس میں شاید اس طرف پہلے ہی اشارہ کر دیا گیا کہ ان فرشتوں کے پیچھے دوسرے بھی آنے والے ہیں۔ اور سورۃ آل عمران کی پہلی آیت میں ملائکہ کی صفت مُنْزَلِيْنَ ارشاد فرمائی۔ یعنی یہ فرشتے آسمان سے اتارے جائیں گے اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ زمین میں جو فرشتے پہلے سے موجود ہیں ان سے کام لینے کے بجائے آسمان سے خاص فرشتے نازل کئے جائیں گے۔ اور آل عمران کی آیت میں ملائکہ کی صفت مُسَوِّمِيْنَ ارشاد فرمائی گئی کہ وہ ایک خاص لباس یا خاص علامت کے ساتھ ہوں گے۔

غزوہ بدر اور تائید الٰہی

عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں بدر کے علاوہ فرشتے کبھی کسی معرکے میں شامل نہیں ہوئے۔ یہ فرشتوں کا اترنا صرف مدد کیلئے اور تعداد بڑھانے کیلئے تھا نہ کہ لڑائی کیلئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ فرشتوں کا نازل کرنا اور تمہیں اس کی خبر دینا صرف تمہاری خوشی، دلجوئی اور اطمینان کیلئے ہے اور اس کا مقصد مسلمانوں کے حوصلے بلند کرنا تھا۔ اللہ کو تو تمہاری آزمائش مقصود ہے ورنہ

اللہ کو قدرت ہے کہ فرشتوں کو اتارے بغیر اور جنگ کے بغیر بھی تمہیں غالب کر دے۔اصل مددگار ہستی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ اپنی مدد کے لیے فرشتوں کا یا کسی اور کا محتاج نہیں ہے جیسا کہ آیت بالا کے اندر وضاحت فرمائی گئی ہے۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّامِنْ عِنْدِ اللهِ اِنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: آیت کے آخر میں مسلمانوں کو تنبیہ فرمادی کہ جو مدد بھی کہیں سے ملتی ہے خواہ ظاہری صورت سے ہو یا مخفی انداز سے سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔اسی کے دائرہ اختیار میں ساری چیزیں ہیں۔فرشتوں کی مدد بھی اسی کے تابع فرمان ہے۔اس لئے تمہاری نظر صرف اسی ذات وحدہ لاشریک لہ کی طرف رہنی چاہئے کیونکہ وہ قدرت والا حکمت والا ہے۔

سولھواں رکوع: اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ۔۔۔ (انفال۔11)

رکوع کے تفسیری موضوعات

معرکہ بدر والے دن نصرت الٰہی، تائید الٰہی کے بعد فتح و کامرانی، اللہ و رسولؐ سے جنگ اور مکافات عمل، میدان جنگ سے نہ بھاگو، بغاوت، بزدلی اور جھگڑے کے منفی اثرات، غزوہ بدر میں نبی اکرمؐ کا معجزہ (وما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللہ رمیٰ)، اہل ایمان کو تسلّی، دشمنان اسلام کو تنبیہ۔

معرکہ بدر کے دوران نصرت الٰہی

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ۔ (انفال۔11)

اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے (تمہاری) تسکین کے لیے تم پر اونگھ طاری کر دی۔اور تمہارے اوپر آسمان سے پانی برسا دیا تاکہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی نجاست (وسوسے) دُور کر دے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعہ سے تمہیں ثابت قدمی عطا کرے۔

˹Remember˺ when Allah overwhelmed you with drowsiness to envelope you with feeling of peace and serenity. And He sent down rain from the heaven to purify you, free you from Satan's whispers, strengthen your hearts, and make ˹your˺ steps firm. (8:11)

This happened the night before encounter of Badr, when prevalent conditions should have produced intense fear and panic among companions of the Prophet (PBUH) but God filled their hearts with such peace and tranquillity that they were overpowered with drowsiness. Moreover, the heavy downpour on the night preceding the Battle of Badr which helped the Muslims in three ways. First, it provided them with an abundant water supply which they quickly stored in large reservoirs. Second, rain compacted the loose sand in the upper part of the valley where the Muslims had pitched their tents. This helped the Muslims plant their feet firmly and facilitated their movement. Third, where the enemy was stationed in the lower part of the valley, the ground turned marshy.

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً : اور تمہارے اوپر آسمان سے پانی برسادیا۔ یہ اس رات کاواقعہ ہے جس کی صبح کو بدر کی لڑائی پیش آئی۔ اہل اسلام کو اس بارش سے تین فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کو پانی کی کافی مقدار مل گئی اور انہوں نے فوراً حوض بنابنا کر بارش کا پانی روک لیا۔ دوسرے یہ کہ مسلمان چونکہ وادی کے بالائی حصے پر تھے اس لیے بارش کی وجہ سے ریت جم گئی اور زمین اتنی مضبوط ہوگئی کہ قدم اچھی طرح جم سکیں اور نقل و حرکت بآسانی ہوسکے۔ تیسرے یہ کہ لشکر قریش چونکہ نشیب کی جانب تھا اس لیے وہاں اس بارش کی بدولت کیچڑ ہوگیا اور پاؤں دھنسنے لگے۔

آیت میں رِجْزَ الشَّيْطٰنِ یعنی شیطانی نجاست سے مراد وہ خوف وہراس اور گھبراہٹ کی کیفیت تھی جس میں مسلمان ابتداءً مبتلا تھے۔ یہ شیطانی اثرات اللہ کے فضل و کرم سے دور ہوگئے۔

تائیدالٰہی کے بعد فتح وکامرانی

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔(انفال۔12)

(اے نبی اکرمؐ! اپنے اعزاز کاوہ منظر بھی یاد کیجئے) جب آپؐ کے رب نے فرشتوں کو پیغام بھیجا کہ (صحابہ کرام کی مدد کے لئے) میں تمہارے ساتھ ہوں، سوتم (بھی حوصلہ افزائی کے ذریعے) ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو۔۔۔

⌜Remember, O Prophet,⌝ when your Lord revealed to the angels, "I am with you. So make the believers stand firm.... (8:12)

اس آیت کے اندر معرکہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سے اہل اسلام کی مدد فرمائی ہے اس کا بیان ہے۔
سورۃ انفال کے شروع سے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا بیان ہو رہا ہے جو اس کے فرمانبردار بندوں پر کئے گئے۔ غزوہ بدر کے واقعات بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ غزوہ بدر میں جو انعامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے ان میں سے پہلا انعام تو خود معرکہ بدر کیلئے مسلمانوں کو گھروں سے نکال کر دشمن سے مقابلہ کی توفیق دینا ہے جس کا بیان: كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ من بيتک میں ہوا ہے۔ دوسرا انعام فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہے جس کا ذکر اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ میں آیا ہے۔ تیسرا انعام دعا کی قبولیت اور مدد کا وعدہ پورا کرنا ہے جس کا ذکر اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ میں ہوا ہے۔ اس کے بعد چوتھے انعام کا تذکرہ ہے جس میں مسلمانوں کے لئے دو نعمتوں کا ذکر ہے ایک سب پر نیند یا سکینت کا نزول جس سے پریشانی اور تھکن دور ہو گئی جس کا ذکر اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً میں ہوا۔ دوسرا رحمت کی بارش جس کے ذریعہ پانی مہیا فرمانا اور میدان جنگ کو ان کے لئے ہموار اور دشمن کے لئے دلدل بنا دینا۔ جس کا ذکر وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً میں ہوا۔ اس کے بعد اگلی آیت میں پانچویں انعام کا ذکر ہے یعنی غزوہ بدر میں فرشتوں کے ذریعے مدد۔ جس کا ذکر اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ میں ہو جس میں فرشتوں کو حکم ہوا کہ مسلمانوں کی مدد کریں، ان کا حوصلہ اور ہمت بڑھائیں، ان کے دلوں کو مضبوط کریں جبکہ ان کے دشمنوں کے لشکر کے دلوں میں ہیبت پیدا کریں۔

اللہ و رسولؐ سے جنگ اور مکافات عمل

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ (انفال۔13)

یہ اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ اور رسولؐ سے دشمنی کی۔ یاد رکھو کہ جو کوئی بھی اللہ اور رسول سے عداوت رکھے گا تو اللہ تعالیٰ بھی (مکافاتِ عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے۔

War against God and His Prophet!

This is because they defied Allah and His Messenger. And whoever defies Allah and His Messenger, then ⌜know that⌝ Allah is surely severe in punishment. (8:13)

اللہ کی مدد ہی وجہ کامرانی ہے۔

میدان جنگ سے نہ بھاگو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ۔(انفال۔14)

اے اہل ایمان جب میدان جنگ میں منکرین اسلام سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان سے پشت مت پھیرنا۔

O you who have believed, when you meet those who disbelieve advancing [for attack], do not turn your backs to them. (8:14)

The sense is that once a war is on, turning back and deserting the battlefield is not permissible. This rule has some exceptions. This has been declared a big sin because in addition to being an act of sheer cowardice, it demoralizes others and can generate demoralization in the entire force which can have disastrous consequences. An individual's desertion might cause a whole organisation to become deserted, for example once a person flees in panic, it is hard to control the others.

دنیا کا عام دستور ہے کہ میدان جنگ سے ایک فوجی کا فرار ہر ملک و ملت میں ایک ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا ہے اور غداری کے زمرے میں آتا ہے۔ اسلام میں بھی اس فرار کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ البتہ جنگی حکمت عملی کے تحت پسپائی ناجائز نہیں ہے اگر اس کا مقصد اپنے آپ کو مزید نقصان سے بچانا ہو۔ البتہ جو چیز حرام کی گئی ہے وہ بھگدڑ ہے جو کسی جنگی مقصد کے لیے نہیں بلکہ محض بزدلی و شکست خوردگی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لیے ہوا کرتی ہے کہ بھگوڑے آدمی کو اپنے مقصد کی بہ نسبت جان زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ دوسری آیت میں اس حکم سے ایک استثناء کا ذکر اور ناجائز طور پر بھاگنے والوں کے عذاب شدید کا بیان ہے۔ اس فرار کو بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔ ایک شرک، دوسرے والدین کی حق تلفی، تیسرے میدان جنگ سے فرار۔ اس فعل کو اتنا بڑا گناہ قرار دینے کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ یہ ایک بزدلانہ فعل ہے، بلکہ اس کی وہ یہ ہے کہ ایک شخص کا بھگوڑا پن اور غداری بسا اوقات ایک پوری فوج کو بدحواس کر کے بھگا دیتی ہے۔ اور پھر جب ایک دفعہ کسی فوج میں

بھگدڑ مچ جائے تو نہیں جاسکتا کہ تباہی کہاں پر جاکر رکے گی۔اس طرح کی بھگدڑ صرف فوج ہی کے لیے تباہ کن نہیں ہے بلکہ اس ملک کے لیے بھی تباہ کن ہے جس کی فوج میں یہ خامی آجائے۔

ایسے غدار اور بھگوڑے شخص کی مذمت میں نبی کریمؐ کے ارشادات موجود ہیں:

حدیث: اجْتَنِبُوْا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ۔ سات ہلاک کردینے والی چیزوں سے بچو۔ان سات میں سے ایک وَاتَّوَلِّي يَومَ الزَّحْفِ(مقابلے والے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا ہے)۔

حدیث: ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین گناہوں کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی۔اللہ کے ساتھ شرک،ماں باپ کی نافرمانی اور مقابلے والے دن میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا۔(طبرانی)

حدیث: ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دعا: استغفر اللہ الذی لا الہ الا هو واتوب الیہ۔ پڑھ لی اس کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں گو وہ میدان جنگ سے بھاگا ہو۔(ابوداؤد،ترمذی)

غزوہ بدر میں نبی اکرمؐ کا ایک معجزہ

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔۔۔ (انفال آیت۔17)

اور(اے محمد ﷺ)جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔

Nor was it you ˹O Prophet˺ who threw ˹a handful of pepples towards the enemy˺, but it was Allah Who did so, rendering the believers a great favour. Surely Allah is All-Hearing, All-Knowing. (8:17)

Before the encounter of Badr, the Prophet (PBUH) threw a handful of pebbles towards the enemy and prayed for their defeat. In the above verse, it was said that the specific outcome was not the result of throwing pebbles. It was, in fact, the perfect power of Allah (swt) which generated the power in the pebbles in that situation.

جنگ بدر میں نبی اکرم ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر دشمن کے لشکر کی طرف پھینکی تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر پیدا فرمادی کہ اس سے لشکر قریش کی آنکھیں چندھیا گئیں اور انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا، یہ معجزہ بھی، جو اس وقت اللہ کی مدد سے ظاہر ہوا، مسلمانوں کی کامیابی میں بہت مددگار ثابت ہوا۔ اس آیت (انفال آیت 17) میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اے پیغمبر! کنکریاں بیشک آپؐ نے پھینکی تھیں، لیکن ان میں تاثیر ہم نے پیدا کی تھی، اگر ہم اس میں یہ تاثیر پیدا نہ کرتے تو یہ کنکریاں کیا کرسکتی تھیں؟ اس لئے یہ بھی دراصل اللہ کی قدرت سے ہوا۔

آیت کے اس حصے کے اندر اہل ایمان کو یہ زمینی حقیقت بتائی جارہی ہے کہ تم نے اپنی طاقت سے دشمن (لشکر قریش) کو شکست نہیں دی بلکہ تم تو بے کس اور کمزور تھے دشمن تم سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ لہٰذا یہ صرف مدد الٰہی تھی کہ اس نے تمہیں دشمنان اسلام پر غالب کردیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد صبر و استقامت دکھانے والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ کون اس کی مدد کا مستحق ہے۔

غور کیا جائے تو مسلمانوں کے لئے بدر کی عظیم الشان فتح سے زیادہ قیمتی یہ ہدایت تھی جس نے ان کے ذہنوں کو اسباب سے پھیر کر مسبب الاسباب سے وابستہ کردیا اور اس کے ذریعے فخر و غرور کی خرابی سے بچالیا جس کے نشہ میں عموماً فاتح اقوام مبتلا ہوجایا کرتی ہیں۔ اس آیت کے ذریعے یہ بتلایا گیا کہ فتح و شکست حکم الٰہی کے تابع ہیں۔ اور ہماری فتح و نصرت ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اطاعت گزار ہوں۔ آیت کے الفاظ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا یعنی یہ عظیم فتح ہم نے اس لئے دی کہ مومنین کو ان کی محنت کا پورا صلہ ملے۔ بَلَآءً کے لفظی معنی امتحان کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا امتحان کبھی مصیبت و مشقت میں مبتلا کرکے ہوتا ہے اور کبھی راحت و دولت دے کر۔ بَلَآءً حَسَنًا اس امتحان کو کہا گیا ہے جو راحت، دولت اور فتح و نصرت دے کر لیا جاتا ہے۔

اگلی آیت میں اہل ایمان کو تسلی دی جارہی ہے کہ ان کی آزمائش ایک اچھے مقصد کیلئے تھی:

اہل ایمان کو تسلّی

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ (انفال۔17)

(یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ) اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ایک بہترین آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزار دے، یقیناً اللہ سُننے والا اور جاننے والا ہے۔

So that Allah may bless the believers with a good favour. Surely, Allah is Hearer, Knower. (8:17)

It means that Allah blessed the believers with this great victory in order to give them the best of return for their obedience and struggle.

بلاء(آزمائش) یہاں نعمت کے معنی میں ہے۔یعنی اللہ کی یہ تائید ونصرت، اللہ کا انعام ہے جو اہل ایمان پر ہوا۔

دشمنان اسلام کو تنبیہ

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِیَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (انفال۔19)

(اے قریش مکہ) اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو تمہارا فیصلہ آ چکا اور اگر باز آ ؤ تو تمہارے لیے بہتر ہے، لیکن اگر تم پلٹ کر اسی (شرارت) کا اعادہ کروگے تو ہم بھی اس کا جواب دیں گے اور تمہارا لشکر خواہ وہ کتنا ہی زیادہ ہو، تمہارے کچھ کام نہ آ سکے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ (سچے) اہل ایمان کے ساتھ ہے۔

Divine Verdict: who is on the right side!

If you ˹People of Makkah˺ sought judgment, now it has come to you. And if you cease, it will be for your own good. But if you persist, We will persist. And your forces—no matter how numerous they might be—will not benefit you whatsoever. For Allah is certainly with the believers. (8:19)

Before marching out from Makka the unbelievers held the covering of the Ka'bah and prayed: 'O God! Grant victory to the better of the two parties.' Abu Jahl, in particular invoked God's judgement: 'O God! Grant victory to the one who is right and cause humiliation to the wrong doer. God answered these prayers fully and the outcome of the battle clearly pointed to the party which was right.

After the end of the battle came, the Qur'an told them that if you were looking for a Divine verdict, that is before you -

truth has triumphed and falsehood has been defeated. So, if you give up and abandon your hostility, it will turn out to be better for you. And, if you still decide to revert back to your wickedness and the threat of aggression, then, Allah too will revert back and support the people of Truth. And if you repeat, We shall repeat. In that case your people shall not suffice you at all, even though they are many in numbers.

سرداران قریش کی دعا: معرکہ بدر سے پہلے مکہ سے روانہ ہوتے وقت مشرکین مکہ نے کعبہ کے پردے پکڑ کر دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! ہم دونوں گروہوں میں سے جو حق پر ہے اس کو فتح عطا کر۔ اور ابو جہل نے خاص طور پر کہا تھا کہ اے اللہ! ہم میں سے جو حق پر ہو اسے فتح دے اور جو ظالم ہے اسے رسوا کر دے۔ قریش مکہ اپنے طور پر مسلمانوں کو قاطع رحم اور نافرمان سمجھتے تھے، اس لئے اس قسم کی دعا کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی منہ مانگی دعائیں حرف بحرف پوری کر دیں اور فیصلہ کر کے بتا دیا کہ دونوں میں سے کون حق پر ہے۔ اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان (دشمنان اسلام) سے فرما رہے ہیں کہ تم فتح یعنی حق اور باطل کے درمیان فیصلہ طلب کر رہے تھے تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آ چکا ہے، لہٰذا اب بھی وقت ہے تم اپنی اسلام دشمنی سے باز آ جاؤ، تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر پھر تم دوبارہ اہل ایمان کے مقابلے میں آ ؤ گے اور اپنی شرارتوں اور حماقتوں سے اہل اسلام کو تنگ کرو گے تو ہم بھی دوبارہ ان کی مدد کریں گے اور تمہارا لشکر کثرت کے باوجود تمہارے کچھ کام نہ آ سکے گا۔

سترہواں رکوع: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔۔۔ (انفال۔20)

رکوع کے تفسیری موضوعات

سمع واطاعت کا حکم، سمع و معصیت نہ کرو، سنی ان سنی نہ کرو (ولا تکونو کاالذین قالو سمعنا وھم لا یسمعون)، حق بات سننے کی توفیق سے محروم، حق بات سن کر اعراض کرنا، احکام شرعیہ کی خلاف ورزی نہ کریں، اللہ و رسولؐ کی پکار پر لبیک کہو (استجیبو للّٰہ وللرسول اذا دعاکم)، دلوں کا پھیرنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے (واعلمو انّ اللہ یحول بین المرء وقلبہ)، دین پر ثابت قدمی کی دعائیں، نیکی کو موقع ہاتھ سے نہ جانے دو، مخصوص فتنہ سے ڈرو جب انفرادی نیکیاں اجتماعی سزاء سے نہیں بچا سکیں گی (واتّقو فتنۃ لا تصیبن الذین ظلمو منکم خاصّہ)،

مخصوص گناہ سے مراد فریضہ دعوت دین سے غفلت، اہل ایمان پر اللہ کے احسانات، ہجرت مدینہ کی برکات، اللہ ورسولؐ کے ساتھ دھوکہ خیانت نہ کرو(لا تخونو اللہ والرّسول)،مال واولاد: آزمائش وامتحان کا سبب(انّما اموالکم واولادکم فتنہ)، تربیت اولاد کے حوالے سے والدین کی ذمہ داریاں، اپنی اولاد کو کوالٹی ٹائم دو۔

سمع واطاعت کا حکم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ۔ (انفال۔20)

اے ایمان لانے والو، اللہ اور اُس کے رسُول کی اطاعت کرو اور حکم سُننے کے بعد اس سے سر تابی نہ کرو۔

Obedience of Allah and His Prophet!

O believers! Obey Allah and His Messenger and do not turn away from him while you hear ˹Divine Guidance˺. (8:20)

In the previous verses, it is stated briefly that Muslims were blessed with the great victory of Badr despite their low numbers. This happened only through the help and support of Allah Almighty - and this Divine help and support is the outcome of their obedience to Allah. This obedience is what Muslims have been obligated with and to this they have to adhere firmly which is being emphasised in this verse: O those who believe, obey Allah and His Messenger…

مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی بات مانو اور اس پر عمل کرو، اسی میں تمہاری زندگی (ابدی نجات) ہے۔ اس سے مراد اوامر ونواہی اور احکام شرعیہ پر عمل ہے۔

احکام شرعیہ کی خلاف ورزی نہ کرو!

سنی ان سنی نہ کرو

وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ۔ (انفال۔20)

(اے ایمان لانے والو!) اللہ کا حکم سُننے کے بعد اس سے سر تابی نہ کرو۔

Listen to Allah and Don't disobey!

O believers! Obey Allah and His Messenger and do not turn away from him while you are listening ˹Divine Guidance˺. (8:20)

In this sentence the same subject has been further emphasized by saying: "and do not turn away from him while you are listening". The sense is that once you have listened to the Qur'an, the true word of Allah, do not go about doing things against the norms of genuine obedience.

Four levels of listening!

Listening denotes listening to what is the truth (Divine Guidance), and it has four levels in terms of effective response.

1. The listener simply heard some verses but neither tried to understand it, nor understood it, nor believed in or relied upon it, nor did he act accordingly.
2. The listener heard verses attentively, even understood, but did neither believe in it nor acted accordingly.
3. The listener heard verses, he understood them, even believed and trusted, but did not act accordingly.
4. The listener heard verses, he understood, he believed, he trusted - and practiced accordingly.

It is obvious that the real purpose of listening is fulfilled only through the fourth level - which is listening, understanding, believing and practicing. This should be the ultimate goal and achievement of a believer.

The first three levels of listening mentioned above falls under the category of not listening.

سمع و معصیت نہ کرو

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ۔ (انفال۔21)

اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سُنا حالانکہ وہ نہیں سُنتے۔

Do not be like those who say, “We hear,” but in fact they are not listening. (8:21)

یہاں سَمِعْنَا سننے سے مراد وہ سنناہے جو ماننے اور قبول کرنے کے معنی میں ہوتا ہے۔ اشارہ ان منافقین کی طرف ہے جو ایمان کا اقرار تو کرتے تھے مگر احکام کی اطاعت سے منہ موڑ جاتے تھے۔

سمع و معصیت کرنا یعنی شرعی حکم سن لینے کے باوجود دین پر عمل نہ کرنا، یہ اللہ کے نافرمانوں اور گناہگاروں کا طریقہ ہے، اس آیت میں بتایا جارہا ہے کہ اگر تم سچے ایماندار ہو تو تمہیں اس رویے سے بچنا چاہئے۔

اس سے اگلی آیت میں ایسے لوگوں کو غیر عاقل خلائق قرار دیا گیا ہے جو لوگ حق کے معاملے میں بہرے گونگے بن کر اپنے محسن حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت سے محروم یا منکر رہتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنا مقصد تخلیق کھو کر بے راہ روی کا شکار ہو چکے ہیں۔ جو آدمی اپنے خالق کو ہی بھول چکا ہے جس ہستی نے اسے وجود اور زندگی بخشی، نعمتیں عطا کیں، بصارت، بصیرت اور دل و دماغ دیا اس کا انکار احسان فراموشی کی بدترین مثال ہے۔ اور یہ ایک انسان کیلئے پست ترین کیفیت ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ (انفال۔22)

بیشک بدترین خلائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو (نہ حق سنتے ہیں، نہ حق کہتے ہیں اور حق کو حق) سمجھتے بھی نہیں ہیں۔

Indeed, the worst of all beings in the sight of Allah are the ˹wilfully˺ deaf and dumb, who do not understand ˹the truth˺. (8:22)

This refers metaphorically to those who fail to utilise their senses gifted by God to see and hear the truth. In this context, ‘hearing’ means taking heed with a view to obey’. These are the ones who neither listen nor speak the truth.

So far as truth is concerned, their ears are deaf, and their mouths dumb.

The verse alludes to those hypocrites who professed to believe and yet were not willing to perform duties as faithful believers.

حق بات سننے کی توفیق سے محروم

حق بات سن کر اعراض کرنا

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ (انفال۔23)

اگر اللہ کو معلوم ہوتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے تو وہ ضرور انہیں سُننے کی توفیق دیتا(لیکن بھلائی کے بغیر) اگر وہ ان کو سُنوا تا تو وہ بے رُخی کے ساتھ منہ پھیر جاتے۔

Quest for Truth: ability to listen good counselling!

Had Allah found any goodness in them, He would have certainly made them listen. ˹But˺ even if He had made them listen, they would have surely turned away heedlessly. (8:23)

In other words, the sense of the verse is: Had Allah seen in them some pliability towards receiving good counselling, He would have blessed them with the ability to listen with faith - and if, in their present state of being with no desire to receive counselling of truth, He were to make them listen to what is true, they would have certainly turned away from it paying no heed.

The word: *khayr* or goodness in this verse means the desire to find out the truth, for it is the quest for truth which opens the doors of deliberation and understanding, and it is this quest which enables one to believe and act. Thus, whoever has no quest for truth is as if he has no real good in him. Therefore, if they were to be invited to ponder,

deliberate and believe in the truth within this state of deprivation, they would have never accepted it. This aversion, that is, would not be because of any flaw in the religion. In fact, they just did not pay heed to what was the truth.

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ: اگر اللہ کو معلوم ہوتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے تو وہ ضرور انہیں سُننے کی توفیق دیتا۔ بھلائی سے مراد اس جگہ طلب حق ہے کہ طلب ہی کے ذریعہ تدبر اور فہم کے دروازے کھلتے ہیں اور اسی سے اعتقاد و عمل کی توفیق ہوتی ہے۔ اور جس میں طلب حق نہیں گویا اس میں کوئی بھلائی نہیں، معنی یہ ہیں کہ اگر ان میں کوئی بھلائی موجود ہوتی تو ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی جب اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کے اندر کوئی بھلائی نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ در حقیقت وہ ہر بھلائی سے محروم ہیں اور اس محرومی کی حالت میں اگر ان کو غور و تدبر اور اعتقاد حق کی دعوت دی جائے تو وہ ہرگز قبول نہ کریں گے بلکہ اس سے منہ پھیر کر بھاگیں گے۔ یعنی ان کی یہ روگردانی اس بناپر نہ ہوگی کہ دین میں ان کو اعتراض کی بات نظر آگئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حق بات کو سنا ہی نہیں اور اس پر دھیان ہی نہیں دیا۔ اگر اللہ کو معلوم ہوتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے تو وہ ضرور انہیں حق بات سُننے کی توفیق دے دیتا یعنی ان کے سماع کو نافع بنا کر ان کو فہم صحیح عطا فرما دیتا، جس سے وہ حق کو قبول کرلیتے اور اسے اپنا لیتے۔ لیکن چونکہ ان کے اندر خیر یعنی حق کی طلب ہی نہیں ہے، اس لئے وہ فہم صحیح سے محروم ہیں۔ آیت میں پہلے سماع یعنی لَّاَسْمَعَهُمْ سے مراد سماع نافع ہے۔ آیت میں دوسرے سماع یعنی وَلَوْاَسْمَعَهُمْ سے مراد مطلق سنانا ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ انہیں حق بات سنوا بھی دے تو چونکہ ان کے اندر حق کی طلب ہی نہیں ہے، اس لئے وہ بدستور اس سے اعراض کریں گے اور سنی ان سنی کردیں گے۔

اللہ رسولؐ کی پکار پر لبّیک کہو

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ (انفال۔24)

اے ایمان لانے والو، اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جبکہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بُلائے جس میں تمہاری زندگی ہے۔ اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور بلاشبہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

Basic articles of faith: Following Quran and Sunnah

O you who have believed! Respond to Allah and His Messenger when he calls you to that which gives you life. And know that Allah stands between a person and their heart, and that to Him you will all be gathered. (8:24)

The most effective means of preventing a person from falling prey to hypocrisy is to implant two points in his mind. Being mindful of Allah and following the footsteps of his Prophet (PBUH). The deeper the roots of these two basic articles of faith, the more a person is on the straight path.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ: اے ایمان لانے والو، اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو۔ اس حکم کی ظاہری صورت تو رسول اللہ ﷺ کے دور کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اگر رسول اللہ تمہیں بلائیں تو ان کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے سارے کام چھوڑ کر ان کی بات کو سنو۔ ایک حدیث کے مطابق چاہے آدمی نماز میں ہو تب بھی نماز چھوڑ کر رسول اللہ کی بات کو سنے۔

حدیث: حضرت ابو سعید بن معلی (رض) فرماتے ہیں کہ میں نماز میں تھا حضور اکرم ﷺ میرے پاس سے گذرے۔ مجھے آواز دی، میں آپ کے پاس نہ آیا اور اپنی نماز جاری رکھی۔ میں جب نماز پڑھ چکا تو حاضر خدمت ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تجھے میرے پاس آنے سے کس چیز سے روکا تھا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ اور اللہ کا رسول تمہیں جب پکاریں تو ان کی پکار پر لبیک کہو کیونکہ اسی میں تمہاری زندگی ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اس مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تمہیں قرآن کی سب سے عظیم سورت سکھاؤں گا۔ جب حضور اکرمؐ نے مسجد سے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے آپ کو آپ کا وعدہ یاد دلایا تو آپؐ نے سورت فاتحہ بتلائی۔

مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ کسی خاص موقع پر نماز کو توڑا جاسکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کی جان و مال کو خطرہ ہو تو اس وقت نماز توڑ کر اس کی مدد کی کوشش کرنی چاہیے البتہ بعد میں اس نماز کی قضاء کرلی جائے۔ مثلاً کوئی نمازی یہ دیکھے کہ کوئی شخص کسی ہیلتھ ایمر جنسی میں مبتلا ہو گیا نمازی کو فوراً اپنی نماز توڑ کر اس کی مدد کا اہتمام کرنی چاہیئے۔

لِمَا يُحْيِيْكُمْ: اللہ رسول کی پکار پر لبیک کہنے میں تمہاری حیات ہے۔ وہ حیات جس کا ذکر اس آیت میں ہے اس کے بارے میں کئی آراء ہیں۔ اس لئے علماء تفسیر نے مختلف قول اختیار کئے ہیں۔ سدیؒ نے کہا کہ وہ حیات بخش چیز ایمان ہے۔ قتادہؒ نے فرمایا کہ اس حیات سے مراد قرآن ہے جس میں دنیا و آخرت کی فلاح مضمر ہے۔ مجاہدؒ نے فرمایا کہ وہ حق ہے۔ بعض مفسرین

نے آیت کے ان الفاظ سے مراد دینی جدوجہد ہے کہ اس میں تمہاری ابدی زندگی کا دارومدار ہے۔ بعض نے آیت کے ان الفاظ سے قرآن کے اوامر ونواہی اور احکام شرعیہ مراد لئے ہیں جن میں دینی جدوجہد خود بخود آجاتی ہے۔ یہ سب آراء اپنی جگہ صحیح ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی بات کو سنو اور اس پر عمل کرو، اسی میں تمہاری زندگی اور ابدی نجات ہے۔ ایمان یا قرآن یا اتباع حق وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کا دل زندہ ہوتا ہے اور دل کی زندگی یہ ہے کہ بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو غفلت و شہوت وغیرہ کے حجابات حائل ہیں وہ راہ سے ہٹ جائیں اور حجابات کی ظلمت دور ہو کر نور معرفت دل میں جگہ پالے۔

صحیح بخاری میں ہے لِمَا يُحْيِيْكُمْ معنی بما بصلحکم کے ہے یعنی اللہ اور اس کا رسول تمہیں پکاریں تو تم جواب دو اور اطاعت کیلئے تیار رہو کیونکہ ان کے حکم کے ماننے میں ہی تمہاری مصلحت ہے۔

دلوں کا پھیرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ: اور یقین رکھو کہ اللہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قبل اس کے کہ تمہیں موت آجائے، اللہ اور رسول کی بات مان لو اور اس پر عمل کرو۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل کے جس طرح قریب ہے اس آیت میں اسے بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب سورۃ ق کی آیت وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کی طرح ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

امام ابن جریرؒ نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور جب چاہتا ان کے اور انکے دلوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان اسکی مشیت کے بغیر کسی چیز کو پا نہیں سکتا۔ بعض نے اسے جنگ بدر سے متعلق قرار دیا ہے کہ مسلمان دشمن کی کثرت سے خوف زدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے دلوں کے درمیان حائل ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں موجود خوف کو امن سے بدل دیا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ آیت کے یہ سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں (فتح القدیر) امام ابن جریر کے بیان کردہ مفہوم کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں دین پر ثابت قدمی کی دعائیں کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ مثلاً

حدیث: ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: القلوب بین اصبع الرحمٰن یصرفھا کیف یشاء۔ بنی آدم کے دل ایک دل کی طرح رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں انہیں جس طرح چاہتا ہے پھیر تا رہتا ہے۔ پھر آپؐ نے یہ دعا پڑھی: اللھم مصرف القلوب صرف قلوبنا الی طاعتک۔ اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ بعض روایات میں ثبت قلبی علی دینک۔ (میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ) کے الفاظ ہیں۔

آیت کا ایک مفہوم یہ بھی مراد لیا گیا ہے کہ کبھی بھی نیکی کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دو۔ جب کسی نیک کام کے کرنے یا گناہ سے بچنے کا موقع آئے تو اس کو فوراً کر گزرو۔ دیر نہ کرو اور اس فرصت وقت کو غنیمت سمجھو کیونکہ بعض اوقات آدمی کے ارادہ کے درمیان قضاء الٰہی حائل ہو جاتی ہے اور وہ اپنے ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کوئی بیماری پیش آجائے یا موت آجائے یا کوئی ایسا مشغلہ یا مصروفیت پیش آجائے، جاب کا مسئلہ یا بزنس کی پریشانی آجائے اور اس کے نتیجے میں نیک کام کی فرصت نہ ملے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ فرصت عمر اور فرصت وقت کو غنیمت سمجھ کر آج کا کام کل پر نہ ڈالے کیونکہ معلوم نہیں کل کیا ہونے والا ہے۔

حدیث: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ، شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغُلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا پانچ حالتوں کو دوسری پانچ حالتوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو۔ جوانی کو بڑھاپے کے آنے سے پہلے غنیمت جانو۔ تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے غنیمت جانو۔ خوش حالی کو تنگدستی کے آنے سے پہلے غنیمت جانو۔ فرصت اور فراغت کو مشغولیت کے انے سے پہلے غنیمت جانو۔ زندگی کو موت آنے سے پہلے غنیمت جانو۔ (ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ انسان کا قلب ہر وقت حق تعالیٰ کے خاص تصرف میں ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ اپنی دعاؤں میں اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے یامقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک، یعنی اے دلوں کے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت اور قائم رکھئے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے احکام کی تعمیل میں دیر نہ لگاؤ اور فرصت وقت کو غنیمت جان کر فوراً کر گزرو معلوم نہیں کہ پھر دل میں نیکی کا یہ جذبہ اور امنگ باقی رہتی ہے یا نہیں۔

نفاق کی روش سے انسان کو بچانے کے لیے اگر کوئی سب سے زیادہ موثر تدبیر ہے تو وہ ہے عقیدے کی اصلاح۔ انسان کے ذہن میں جب یہ عقیدہ موجود ہو کہ تمام معاملات اس رب کے ہاتھ میں ہیں جو دلوں کے حال تک جانتا ہے اور ایسا راز داں ہے کہ آدمی اپنے دل میں جو نیتیں، جو خواہشیں، جو اغراض و مقاصد اور جو خیالات چھپا کر رکھتا ہے وہ بھی اس پر عیاں ہیں تو یہ عقیدہ انسان کو دنیا میں سیدھے راستے پر رکھتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ بہر حال ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ اس سے بچ کر کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ یہ وہ عقیدہ ہے کہ کہ جتنا زیادہ یہ عقیدہ پختہ ہو گا، اتنا ہی زیادہ انسان نفاق سے دور رہے گا۔ اسی لیے منافقت کے حوالے سے وعظ و نصیحت کے سلسلہ میں قرآن عقائد کا ذکر بار بار کرتا ہے۔

ایمان پر ثابت قدمی کی ایک دعا:

احادیث میں ایمان پر ثابت قدمی کی ایک اور دعا بھی سکھائی گئی:

حدیث: حضرت ام سلمہ کہتی ہیں میں نے حضور سے پھر درخواست کی کہ کیا آپ مجھے میرے لئے بھی کوئی دعا سکھائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، یہ دعا مانگا کرو: اللھم رب النّبی محمد اغفرلی ذنبی و اذھب غیظ قلبی و اجرنی من مضلات الفتن ما احییتنی۔ یعنی اے اللہ! اے نبی اکرم محمدؐ کے پروردگار! میرے گناہ معاف فرماتا رہے، میرے دل کی سختی دور کرتا رہے، مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے محفوظ فرما جب تک تو مجھے زندہ رکھے۔

مخصوص فتنہ سے ڈرو۔ جب انفرادی نیکیاں اجتماعی سزا سے نہیں بچائیں گی۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ (انفال۔25)

اور اس فتنے سے ڈرو جو صرف انہیں لوگوں تک محدود نہیں ہو گا جو تم میں گنہگار ہیں۔ اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

And protect yourselves against a temptation that will not affect the wrongdoers among you exclusively. And know that Allah is severe in punishment. (8:25)

This refers to those widespread social problems whose negative affects are not limited to the few members of the society. For example, if rubbish is found at a locality and no one is concerned about cleanliness, then everything in the area will become polluted. As a result, if diseased and epidemics break out, they will not only afflict those who

were responsible for spreading the disease but virtually all the residents of that locality will become sick. In the same way if immoral practices remain confined to a few people but the overall moral concern of the society prevents those practices from becoming widespread and public, their harmful effects remain limited. But when the collective conscience of the society is weakened to a point whereby immoral practices are not suppressed, when people indulge in evils without any sense of shame and even go around vaunting their wicked deeds, when good people adopt a passive attitude and are content with being righteous merely in their own lives and are unconcerned with or silent about collective problems, then the entire society invites its doom.

The reformatory mission of the Prophet (peace be on him) was the well-being of every member of the society both individually and collectively. People should bear in mind that if they fail to repel evils which are harming their society and do nothing about those social evils then it will danger the safety of everyone as the consequences would affect everyone indiscriminately.

قرآن کریم نے غزوہ بدر کی تفصیلات اور اس میں اہل اسلام پر اپنے انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد اس سے حاصل شدہ نتائج اور خاص اسباق کو بطور نصیحت ذکر فرمایا ہے جن کا ذکر سورہ انفال آیت 24 سے یعنی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ سے شروع ہوتا ہے۔ ان میں سے پہلی آیت میں ایسے گناہ سے بچنے کی خاص ہدایت کی گئی ہے جس کا عذاب شدید صرف گناہ گاروں پر محدود نہیں رہتا بلکہ بے گناہ لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ آیت میں فرمایا گیا:

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً: اور اس فتنے سے ڈرو جو صرف انہیں لوگوں تک محدود نہیں ہو گا جو تم میں گنہگار ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو متنبہ فرما رہے ہیں کہ اس امتحان اور اس محنت اور فتنے کا خوف رکھو جو گنہگاروں بدکاروں پر ہی نہیں رہے گا بلکہ اس بلاء اور فتنہ کے اثرات عام ہوں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل

ایمان کو حکم فرمارہے ہیں کہ وہ آپس میں کسی خلاف شرع کام کو باقی اور جاری نہ رہنے دیں۔ورنہ اللہ کے عام عذاب میں سب پکڑ لئے جائیں گے۔

اس آیت سے کونسا گناہ مراد ہے؟

اس میں علماء تفسیر کے متعدد اقوال ہیں۔بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ گناہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر یعنی لوگوں کو نیک کاموں کی ہدایت اور برے کاموں سے روکنے کی جدوجہد کا ترک کر دینا ہے۔دوسرے الفاظ میں فریضہ دعوت و تبلیغ ترک کر دینا پورے معاشرے کیلئے باعث وبال ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یا تو تم اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع کرتے رہو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے کوئی عام عذاب نازل فرمائے گا (جو بلا تفریق سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا)۔(مسند احمد)

حدیث: آپ ﷺ نے فرمایا جب زمین والوں میں بدی ظاہر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب اتارتا ہے حضرت عائشہ صدیقہ (رض) نے پوچھا کہ ان ہی میں اللہ کے اطاعت گذار بندے بھی ہوں گے آپؐ نے فرمایا عذاب عام ہو گا پھر وہ اللہ کی رحمت کی طرف لوٹ جائیں گے۔(مسند احمد)

حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ کسی جرم و گناہ کو اپنے ماحول یا سوسائٹی میں قائم نہ رہنے دیں کیونکہ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا یعنی جرم و گناہ دیکھتے ہوئے باوجود قدرت کے اس کو منع نہ کیا تو اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام کر دیں گے جس سے نہ گناہگار بچیں گے نہ بے گناہ۔

بے گناہ سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جو اصل گناہ میں ان کے ساتھ شریک نہیں مگر امر بالمعروف کے ترک کر دینے کے گناہ میں مبتلا ہیں۔یہاں یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ ایک کے گناہ کا عذاب دوسرے پر ڈالنا بے انصافی اور قرآنی فیصلہ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى کے خلاف ہے۔یہاں اس آیت کا حکم لاگو نہیں ہوتا کیونکہ یہاں گناہگار اپنے اصل گناہ کے وبال میں اور بے گناہ ترک امر بالمعروف کے گناہ میں پکڑے گئے کسی کا گناہ دوسرے پر نہیں ڈالا گیا۔

حدیث: امام بغویؒ نے شرح السنۃ اور معالم میں بروایت حضرت عبد اللہ بن مسعود و صدیقہ عائشہؓ یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی خاص جماعت کے گناہ کا عذاب عام لوگوں پر نہیں ڈالتے جب تک کہ ایسی صورت پیدا

نہ ہو جائے کہ وہ اپنے ماحول میں گناہ ہوتا ہوا دیکھیں اور ان کو یہ قدرت بھی ہو کہ اس کو روک سکیں اس کے باوجود انہوں نے اس کو روکا نہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا عذاب ان سب کو گھیر لیتا ہے۔

حدیث: صحیح بخاری میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قانونی حدود توڑنے والے گناہگار ہیں اور جو لوگ ان کو دیکھ کر باوجود قدرت کے ان کو گناہ سے نہیں روکتے ان دونوں طبقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بحری جہاز کی دو منزلیں ہوں۔ اگر نچلی منزل والے اوپر آ کر اپنی ضرورت کے لئے پانی لیتے ہوں جس سے اوپر والے تکلیف محسوس کریں۔ نچلی منزل والے اگر یہ صورت اختیار کریں کہ کشتی کے نچلے حصہ میں سوراخ کر کے اس سے اپنے لئے پانی حاصل کریں اور اوپر کے لوگ ان کی اس حرکت کو دیکھیں اور منع نہ کریں تو ظاہر ہے کہ پانی پوری کشتی میں بھر جائے گا اور جب نیچے والے غرق ہوں گے تو اوپر والے بھی ڈوبنے سے نہ بچیں گے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ جب لوگ کسی ظالم کو دیکھیں اور ظلم سے اس کا ہاتھ نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام کر دیں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

بعض مفسرین کے مطابق اس آیت سے مراد وہ اجتماعی فتنے ہیں جو وبائے عام کی طرح ایسی شامت لاتے ہیں جس میں صرف گناہ گار ہی گرفتار نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی مارے جاتے ہیں اس سوسائٹی میں خاموش تماشائی بن کر عملاً برائی کا ساتھ دیتے ہیں۔ اسی طرح معاشرے کی اخلاقی قباحتوں کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اگر وہ انفرادی طور پر بعض افراد میں موجود رہیں اور صالح سوسائٹی کے رعب سے دبی رہیں تو اُن کے نقصانات محدود رہتے ہیں۔ لیکن جب سوسائٹی کا اجتماعی ضمیر کمزور ہو جاتا ہے تو مجموعی طور پر پوری سوسائٹی ان کی نحوستوں کی ذد میں آجاتی ہے۔

بعض مفسرین نے اس فتنہ سے ظلم و جبر مراد لیا ہے۔

یا اس فتنہ سے مراد وہ عام عذاب ہیں جو ارضی و سماوی آفات مثلاً زلزلے، وبائی بیماریاں، سیلاب وغیرہ کی صورت میں آتے ہیں اور نیک اور بد سب ہی ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ یا بعض احادیث میں امر بالمعروف و نہی ترک کی وجہ سے عذاب کی جو وعید بیان کی گئی ہے، مراد ہے۔

عبد اللہ ابن مسعود فرماتے ہیں تم میں سے ہر شخص فتنے اور آزمائش میں مبتلا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہارے لئے فتنہ یعنی آزمائش ہیں۔ پس تم میں سے جو بھی پناہ مانگے وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ تمہیں چاہئے کہ ہر گمراہ کن فتنے سے پناہ طلب کر لیا کرو۔ (بحوالہ ابن کثیرؒ)

اہل ایمان پر اللہ کے احسانات

ہجرت مدینہ کی برکات

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (انفال۔26)

اور اس حالت کو یاد کرو! جب تم اقلیت میں تھے۔ ملک میں محکوم و بے بس تھے (یعنی معاشی طور پر کمزور اور استحصال زدہ تھے) تم اس بات سے خوفزدہ رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں مٹا نہ دیں (یعنی سماجی طور پر بھی تمہیں آزادی اور تحفظ حاصل نہ تھا) پھر اللہ نے (ہجرتِ مدینہ کے بعد) تم کو جائے پناہ (آزاد سرزمین) مہیا کر دی، اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کیے اور اور (مواخات، انفال اور آزاد معیشت کے ذریعے) تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی عطا فرمادی تاکہ تم اللہ کی (بندگی کرکے اس کے) شکر گزار بنو۔

Blessings upon believers in Medina!

Remember when you had been vastly outnumbered and oppressed in the land, constantly in fear of attacks by others, then He sheltered you, strengthened you with His help, and provided you with good provision so perhaps you would be thankful. (8:26)

The Muslims should have faith that if they work sincerely for the Deen of Allah, then He will certainly help and protect them.

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ: اور اس حالت کو یاد کرو! جب تم (مکہ میں) اقلیت میں تھے۔ ملک میں محکوم و بے بس تھے۔ اس آیت میں مسلمانوں کیلئے مکی زندگی کی مشکلات، شدائد و خطرات کا بیان ہے۔

فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ: پھر اللہ نے (ہجرتِ مدینہ کے بعد) تم کو جائے پناہ (آزاد سرزمین) مہیا کر دی، اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کیے اور اور (مواخات، انفال اور آزاد معیشت کے ذریعے) تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی عطا فرمادی۔ آیت کے دوسرے حصے میں مدنی زندگی میں ہجرت مدینہ کی برکات کی صورت میں اہل اسلام جس

آرام وراحت اور آسودگی سے بفضلِ الٰہی ہمکنار ہوئے، اس کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مدینہ میں بہترین ٹھکانا عطا فرمایا۔ اور نہ صرف ٹھکانا بلکہ اپنی تائید ونصرت سے ان کو قوت اور دشمنوں پر فتح اور اموال عظیمہ عطا فرما دیئے۔

مسلمانوں کیلئے ہجرت مدینہ ایک مشکل ترین فیصلہ تھا۔ اپنا گھر بار، مال واسباب، کنبہ وبرادری، اپنی جائے پیدائش، اپنا شہر، اپنے وطن اصلی کو صرف دین کی خاطر چھوڑ دینا بہت بڑی قربانی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت مدینہ کے حکم پر اہل ایمان نے عمل کیا جس کے نتیجے میں انہیں بے شمار ثمرات وفوائد حاصل ہوئے۔ مسلمان اقلیت سے اکثریت میں بدل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ناتوانی کو طاقت سے، ان کے خوف کو امن سے، ان کی فقیری کو امیری سے بدل دیا۔ یہ سب کچھ سچے دین اور اللہ کے رسول کی تعلیم پر عمل کے نتائج تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے انہیں احسانات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ: تاکہ تم اللہ کے شکر گزار بنو۔ یہاں شکر گزاری کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان اللہ رسول کی اطاعت کریں اور رسول اللہؐ کے مشن میں اخلاص وجاں نثاری کے ساتھ کام کریں، اور اس کام میں جو خطرات ومصائب پیش آئیں ان کا مقابلہ حکمت کے ساتھ کریں۔ لہٰذا محض اعترافی شکر گزاری مطلوب نہیں ہے بلکہ عملاً شکر گزاری بھی مطلوب ہے۔ احسان کا اعتراف کرنے کے باوجود محسن کی رضاجوئی کے لیے سعی نہ کرنا اور اس کی خدمت میں مخلص نہ ہونا شکر گزاری نہیں ہے بلکہ الٹا ناشکری ہے۔

اللہ رسولؐ کے ساتھ دھوکہ، خیانت نہ کرو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (انفال۔27)

اے اہلِ ایمان! تم اللہ اور رسول (کے حقوق) میں جان بوجھ کر خیانت نہ کرو، نہ ہی آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔

Breach of trust!

O you who have believed, do not betray Allah and the Messenger or betray your trusts while you know [the consequence]. (8:27)

In this verse we have been instructed not to commit any breach of trust in the due rights. It includes the rights of Allah or His messenger or in the mutual rights known as right of people.

'Trusts' embrace all the responsibilities which are imparted to someone because he is trusted. These might

consist of obligations arising out of an agreement or collective covenant. It might also consist of personal or collective property, or any office or position which might be bestowed upon a person by the relevant body.

اللہ اور رسولؐ کے حقوق میں خیانت یہ ہے کہ جلوت میں یعنی پبلک لائف میں اللہ اور رسولؐ کا تابع دار بن کر رہے اور خلوت میں یعنی پرائیویٹ لائف میں اس کے برعکس گناہگار بن کر رہے۔اسی طرح یہ بھی خیانت ہے کہ فرائض میں سے کسی فرض کا ترک اور نواہی میں سے کسی بات کا ارتکاب کیا جائے۔اسی طرح ایک شخص دوسرے کے پاس جو امانت رکھواتا ہے اس میں خیانت نہ کرے۔نبی کریم ﷺ نے بھی امانت کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کا خاص شان نزول بھی بیان کیا ہے لیکن آیت کے الفاظ عمومی ہیں یعنی ان کا حکم عام ہے۔یہی جمہور علماء کا قول ہے۔خیانت سے یہاں مراد صغیرہ کبیرہ چھوٹے بڑے لازم متعدی سب گناہ شامل ہیں۔اپنی امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو یعنی فرض کو ناقص نہ کرو، پیغمبرؐ کی سنت کو نہ چھوڑو، اس کی نافرمانی نہ کرو۔اسی طرح عام لوگوں کے ساتھ بھی خیانت، دھوکہ اور فراڈ نہ کرو۔یہی اسلام کی تعلیمات ہیں۔

حدیث: حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے اکثر خطبوں میں یہ ضرور ارشاد فرماتے تھے: لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عھد لہ۔ یعنی اس شخص کا ایمان مکمل نہیں، جس کے اندر امانت کی پاسداری نہیں اور اس کا دین مکمل نہیں، جس کے اندر عہد وحلف کی پابندی کا احساس نہیں۔

مال واولاد: آزمائش وامتحان کا سبب

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ (انفال۔28)

اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد (تمہارے لئے) ایک آزمائش اور امتحان ہیں اور اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے۔

Children & Wealth Are Test

And know that your wealth and your children are only a test and that with Allah is a great reward.

The Qur'an clearly points out that excessive love of wealth or children drives people off the right path, often impair the sincerity faith and often lead man to hypocrisy, treachery

and dishonesty. One's property, one's business and one's offspring constitute a test for a person.

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ: اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد (تمہارے لئے) ایک آزمائش اور امتحان ہیں۔ فتنہ کے معنی امتحان کے بھی آتے ہیں اور عذاب کے بھی اور ایسی چیزوں کو بھی فتنہ کہا جاتا ہے جو عذاب کا سبب بنیں۔ قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں ان تینوں معنی کے لئے لفظ فتنہ استعمال ہوا ہے۔ یہاں تینوں معانی کی گنجائش ہے۔

پہلا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات مال و اولاد خود بھی انسان کے لئے دنیا ہی میں وبال جان بن جاتے ہیں اور ان کے سبب غفلت و معصیت میں مبتلا ہو کر سبب عذاب بن جانا تو بالکل ظاہر ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ مال اور اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر انسان بعض دفعہ اپنے اللہ کو ناراض کر دے تو یہی مال و اولاد بندے کیلئے عذاب بن جاتا ہے۔ بعض اوقات تو دنیا ہی میں یہ چیزیں انسان کو سخت مصیبتوں میں مبتلا کر دیتی ہیں اور دنیا ہی میں وہ مال و اولاد کی وجہ سے عذاب محسوس کرنے لگتے ہیں۔ ورنہ یہ تو لازمی ہے کہ دنیا میں جو مال اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کمایا گیا یا خرچ کیا گیا وہ مال ہی آخرت میں اس کے لئے سانپ بچھو اور آگ میں داغ دینے کا ذریعہ بن جائے گا۔ جیسا کہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں اور بیشمار روایات حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں سبب عذاب بن جائیں یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جب یہ چیزیں اللہ تعالیٰ سے غفلت اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کا سبب بنیں تو عذاب کا سبب خود بخود بن گئیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسان کے اخلاص ایمانی میں جو چیز بالعموم خلل ڈالتی ہے وہ مال اور اولاد کی محبت ہے۔ یہی دو چیزیں عام طور پر انسان کو خیانت پر اور اللہ اور رسول کی اطاعت سے گریز پر مجبور کرتی ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا کہ یہ دنیا کی امتحان گاہ میں تمہارے لیے فتنہ یعنی آزمائش ہیں۔ جسے تم بیٹا یا بیٹی کہتے ہو حقیقت کی زبان میں وہ دراصل امتحان کا ایک پرچہ ہے۔ اور جسے تم جائیداد یا کاروبار کہتے ہو وہ بھی در حقیقت ایک دوسرا پرچہ امتحان ہے۔

تربیت اولاد کے حوالے سے آیت سے حاصل ہونے والے اسباق

ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

اولاد اللہ کی طرف سے ایک بہترین نعمت ہے۔

اولاد کی اچھی پرورش، تعلیم و تربیت والدین پر فرض ہے۔

حدیث: سب سے بہترین تحفہ جو ایک والد اپنی اولاد کو دے سکتا ہے وہ اچھی تربیت ہے۔ (ترمذی)

والدین پر بچوں کے سلسلے میں یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ جہاں بچوں کو اچھی زندگی کے لیے اچھی خوراک، عمدہ کپڑے اور زندگی کی دوسری اشیاء مہیا کریں، وہیں ان کی دینی تعلیم اور اسلامی تربیت کا بھی بھرپور انتظام کریں۔

اپنی اولاد کو کوالٹی ٹائم دیں

بچوں کی تعلیمی، معاشی اور معاشرتی ضروریات کے ساتھ ساتھ نفسیاتی ضروریات بھی بہت اہمیت کی حامل اور والدین کی توجہ کی متقاضی ہیں۔

بچوں کو کوالٹی ٹائم دیں۔

ان کے ساتھ گفتگو کریں۔

ان کے سر پر دست شفقت رکھیں۔

ان کی پریشانی پوچھیں۔

اور اسے حل کرنے کی کوشش کریں۔

دور جدید کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ والدین کے پاس بچوں کے لیے وقت ہی نہیں ہے۔

والدین کو اپنے اوقاتِ کار کا ایک بڑا حصہ اپنی اولاد کے اصلاحِ احوال کے لیے قربان کرنا ہو گا۔

ان کے ساتھ بیٹھ کر اور انھیں اپنے ساتھ بٹھا کر قرآن و سنت کے پیغام کو ان کے دل و دماغ میں پورے اعتماد و یقین کے ساتھ جاگزیں کرنے میں صرف کرنا ہو گا۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو ضائع کر دے۔ (سنن ابو داؤد)

اٹھارواں رکوع: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ۔۔۔ (انفال۔29)

رکوع کے تفسیری موضوعات

تقویٰ کی برکات: فرقان، کفّارہ سیئات، مغفرت، اعمال صالحہ کی توفیق، فرقان سے کیا مراد ہے؟ رسول اکرمؐ کے قتل کی ناپاک سازش، حضرت علی کرم اللہ وجہ کی خاص فضیلت: حضور اکرمؐ کے بستر پر سونے کی سعادت، قرآن کو قصّہ ماضی سمجھنے والوں کی غلط فہمی (ان ھٰذا الّا اساطیر الاوّلین)، دعوت حق کے مقابلے میں اکڑ اور جاہلانہ رویّہ، مشرکین مکہ کی طعنہ آمیز دعا(

فامطر علینا حجارۃ من السّماء)،استغفار سے عذاب ٹل جاتا ہے(وما کان اللہ معذبہم وھم یستغفرون)، غیر مسلموں کو اچھے اعمال کا دنیا میں فائدہ ہوتا ہے، مسجد حرام سے روکنا عذاب الٰہی کا مستحق بنادیتا ہے، مسجد کے اندر یا مسجد کے قریب شور شرابہ کی مذمت(وماکان صلاتھم عند البیت الّا مکاءً و تصدیہ)،مال کے زور پر حق کے راستے میں روڑے اٹکانے والے(ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ)،خبیث اور مکروہ کردار کی مذمت۔

تقویٰ کی برکات:

کفّارہ سیئات، دنیا و آخرت کی سعادت مندی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ (انفال۔29)

اے ایمان لانے والو، اگر تم خدا ترسی اختیار کروگے تو اللہ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تمہارے قصور معاف کر دے گا اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

O you who have believed, if you remain mindful of Allah, He will grant you a criterion and will remove from you your misdeeds and forgive you. And Allah is the possessor of great bounty. (8:29)

The verse teaches us that if a person remains mindful of Allah, keep his emotions and desires under control in accordance with the command of Allah swt then Allah will bless him with three things:

(1) Criterion – ability to distinguish right and wrong
(2) Expiation of sins
(3) Forgiveness

Criterion is the inner light will serve as a pointer at every turn of life, at every up and down in life, guiding a person when he should proceed and when he should refrain,

telling him which is the path of truth and leads to God, and which is false and leads to Satan.

مذکورہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص دین کی آزمائش میں ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و محبت کو سب چیزوں پر مقدم رکھے جس کو دین کی اصطلاح میں تقویٰ کہا جاتا ہے تو اس کو اس کے صلہ میں تین انعامات عطا ہوتے ہیں:

1: فرقان

2: کفارہ سیئات

3: مغفرت۔

محاورات میں فرقان اس چیز کے لئے بولا جاتا ہے جو دو چیزوں میں واضح طور پر فرق اور فصل کر دے۔ اسی لئے فیصلہ کو فرقان کہتے ہیں کیونکہ وہ حق اور ناحق میں فرق واضح کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کو بھی فرقان کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ اہل حق کو فتح اور ان کے مخالف کو شکست ہو کر حق و باطل کا فرق واضح ہو جاتا ہے قرآن کریم میں اسی معنی کے لئے غزوہ بدر کو یوم الفرقان کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس آیت میں تقویٰ اختیار کرنے والوں کو فرقان عطا ہونے کا اکثر مفسرین صحابہ کے نزدیک یہی مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد اور حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے کوئی دشمن ان کو گزند نہیں پہنچا سکتا اور ان کو اپنے مقصد میں کامیابی اور برکت حاصل ہوتی ہے۔

بعض مفسرینؒ نے فرمایا کہ فرقان سے مراد اس آیت میں وہ عقل و بصیرت ہے جس کے ذریعہ حق و باطل، کھرے کھوٹے میں امتیاز کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ تقوی اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ایسی بصیرت اور فراست عطا فرما دیتے ہیں کہ ان کو اچھے برے میں فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

دوسری چیز جو تقویٰ کے صلہ میں عطا ہوتی ہے وہ کفارہ سیئات ہے یعنی جو خطائیں اور لغزشیں اس سے سرزد ہوتی ہیں دنیا میں ان کا کفارہ اور بدل کر دیا جاتا ہے یعنی اس کے ایسے اعمال صالحہ کی توفیق ہو جاتی ہے جو اس کی سب لغزشوں پر غالب آجاتے ہیں۔

تیسری چیز جو تقویٰ کے صلہ میں ملتی ہے وہ آخرت کی مغفرت اور سب گناہوں، خطاؤں کی معافی ہے۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا: وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ بڑے فضل و احسان والے ہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ عمل کی جزاء تو عمل کے پیمانہ پر ہوتی ہے۔ وہ تو جزاء اور بدلہ کے طور پر ہے مگر اللہ تعالیٰ بڑے فضل و احسان

والے ہیں اور اس کے احسان وانعام کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا اس لئے تقوی اختیار کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام سے ان تین چیزوں کے علاوہ بھی بہت بڑی امیدیں رکھنا چاہیئے۔

تقویٰ کا مطلب ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابندی کرنا۔

مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کی بدولت بصیرت اور ہدایت کا راستہ واضح تر ہو جاتا ہے، جس سے انسان کو ہر ایسے موقعے پر، جب عام انسان شک وشبہ کی وادیوں میں بھٹک رہے ہوں، صراط مستقیم کی توفیق مل جاتی ہے۔

فرقان سے کیا مراد ہے؟

What is criterion?

فرقان کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں مثلاً ایسی چیز جس سے حق وباطل کے درمیان فرق کیا جاسکے۔

جیسے فرمان عالی شان ہے: یایھا الزین امنو اتقوالله وامنوا برسوله یوتکم کفلین من رحمته ویجعل لکم نورا تمشون به و یغفر لکم والله غفور الرحیم۔ یعنی اے ایمان والو! اللہ کا ڈر دلوں میں رکھو۔ اس کے رسول پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دوہرے حصے دے گا اور تمہارے لئے ایک نور مہیا کر دے گا جس کے ساتھ تم چلتے پھرتے رہو گے اور تمہیں بخش بھی دے گا، اللہ غفورورحیم ہے۔

حدیث قدسی: يَا ابْنَ آدَمَ، لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ، ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي؛ غَفَرْتُ لَكَ وَلَا أُبَالِي۔ اے انسان، اگر تمہارے گناہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جائیں پھر تم مجھ سے معافی طلب کرو تو میں تمہیں معاف کردوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ (ترمذی)

حدیث قدسی: يَا عِبَادِي، إِنَّكُمْ تُخْطِئُونَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا، فَاسْتَغْفِرُونِي؛ أَغْفِرْ لَكُمْ۔ اے میرے بندو! تم سب روزانہ دن رات غلطیاں اور گناہ کرنے والے ہو اور میں تمام گناہوں کو بخش سکتا ہوں۔ پس مجھ سے بخشش مانگو! میں تمہیں معاف کروں گا۔ (مسلم)

رسول اللہ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ۔ (انفال۔30)

اور (اے محمد ﷺ اس وقت کو یاد کرو) جب منکرینِ حق تیرے خلاف سازشیں کر رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں۔ وہ بھی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

Evil conspiracies against the Holy Prophet!

And ⌈remember O Prophet⌉ when the disbelievers conspired to capture, kill, or exile you. They planned, but Allah also planned. And Allah is the best of planners. (8:30)

This incident happened before migration to Medina when the Holy Prophet was encircled by the enemies who were planning to detain or kill him. But Allah swt did thwart their evil plot and helped the Holy Prophet to reach the city of Madinah in perfect safety.

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ایک خاص انعام واحسان کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام پر ہوا۔ قبل از ہجرت جب آنحضرت ﷺ کفار کے نرغہ میں تھے اور وہ آپ کے قید یا قتل کرنے کے مشورے کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا اور آنحضرت ﷺ کو سلامت وعافیت مدینہ طیبہ پہنچا دیا۔ حضور اکرمؐ مدینہ جانے سے روکنے کیلئے ایک سازش تیار کی گئی جو دارالندوہ میں بیٹھ کر تیار کی گئی تھی۔ دارالندوہ مسجد حرام کے متصل قصی بن کلاب کا مکان تھا جس کو ان لوگوں نے قومی مسائل میں مشورہ اور مجلس کرنے کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کیلئے قریشی سرداروں کا اجتماع دارالندوہ میں ہوا جس میں ابو جہل، نضر بن حارث، عتبہ، امیہ بن خلف، ابوسفیان وغیرہ قریش کے تمام نمایاں اشخاص شامل ہوئے اور رسول کریم ﷺ کی بڑھتی ہوئی قوت کے مقابلہ کی تدبیریں زیر غور آئیں۔ قریش مکہ کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر محمد ﷺ مکہ سے نکل گئے اور مدینہ چلے گئے تو پھر خطرہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے معاملہ میں ایک آخری فیصلہ کرنے کے لیے دارالنّدوہ میں تمام سرداران قوم کا ایک اجتماع کیا اور اس امر پر باہم مشاورت کی کہ اسلام کے خطرے کا سدّباب کس طرح کیا جائے۔ اور بالآخر یہ طے پایا تھا کہ مختلف قبیلوں کے نوجوانوں کو (نعوذ باللہ) آپؐ کے قتل پر مامور کیا جائے تاکہ کسی ایک کو قتل کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے بلکہ دیت دیکر جان چھوٹ جائے۔ چنانچہ اس ناپاک سازش کو عملی جامہ پہنانے کیلئے آدمی بھی نامزد ہو گئے اور قتل کا وقت بھی مقرر کر دیا گیا۔ ایک رات یہ لوگ آپ کے گھر کے باہر اس انتظار میں کھڑے رہے کہ آپؐ باہر نکلیں تو (نعوذ باللہ) آپ کا کام تمام کر دیں۔ مگر اللہ

تعالیٰ نے آپؐ کو اس سازش سے آگاہ فرمادیا اور آپؐ کے نکلنے کا پتہ ہی نہیں لگا، حتیٰ کہ آپ غار ثور میں پہنچ گئے۔اس طرح قریش مکہ کی یہ سازش ناکام ہو گئی۔

اس رات حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے مگر محاصرہ کرنے والوں نے ان کے کروٹیں بدلنے سے پہچان لیا کہ یہ محمد ﷺ نہیں اس لئے اقدام قتل نہیں کیا۔یہ رات اور اس میں رسول کریم ﷺ کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا حضرت علی مرتضٰی کے خاص فضائل میں سے ہے۔

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ: یعنی اللہ تعالیٰ بہتر تدبیر کرنے والے ہیں۔جو ساری تدبیروں پر غالب آجاتی ہے جیسا کہ اس واقعہ میں ظاہر ہوا۔لفظ مکر کے معنی عربی لغت میں یہ ہیں کہ کسی حیلہ و تدبیر کے ذریعہ اپنے مقابل شخص کو اس کے ارادہ سے روک دیا جائے۔پھر اگر یہ کام کسی نیک مقصد سے کیا جائے تو یہ مکر محمود اور اچھا ہے اور کسی برے مقصد کیلئے کیا جائے تو مذموم اور برا ہے۔اس جگہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آخر آیت میں جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ بصیغہ مضارع ہیں جو حال و مستقبل کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُاللّٰهُ یعنی وہ اہل ایمان کی ایذارسانی کی تدبیریں کرتے رہیں گے اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ ان کی تدبیروں کو ناکام کرتا رہے گا۔اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ دشمنان اسلام کا یہ دائمی شعار رہے گا کہ اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں کرتے رہیں گے مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد بھی ان اسلام دشمن تدبیروں کو دفع کرتی رہے گی۔

قرآن کو قصّہ ماضی سمجھنے والوں کی غلط فہمی

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔(انفال۔31)

جب ان کو ہماری آیات سنائی جاتی تھیں تو کہتے تھے کہ "ہاں سُن لیا ہم نے، ہم چاہیں تو ایسی ہی باتیں ہم بھی بنا سکتے ہیں، یہ تو وہی پُرانی کہانیاں ہیں جو پہلے سے لوگ کہتے چلے آرہے ہیں۔

Whenever Our revelations are recited to them, they challenge ˹you˺, “We have already heard ˹the recitation˺. If we wanted, we could have easily produced something similar. This ˹Quran˺ is nothing but ancient fables!” (8:31)

The absurd remarks mentioned in the above Verse were made by Nadr ibn Harith who was an opponent of Islam living in Makkah at that time. He was a businessman who used to travel to different countries where he had repeated opportunities of seeing religious scriptures of other faith as well as witnessing their modes of worship. His absurd remarks about Qur'an mentioned in the above verse were challenged by the Companions that if you can say something like this (similar to Qur'an), then why would you not say it? Therefore, he failed to provide any evidence to support his fake claim. Rather than answering the challenge he became upset and made a fake dua in frustration which is mentioned in the following verse: O Allah, if this be indeed the truth [revealed] from You, then, rain down upon us stones from the heavens, or bring upon us a painful punishment. (May Allah forbid).

اللہ تعالیٰ منکرین حق کے غرور و تکبر، ان کی سرکشی، حق ناشناسی، ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی کیفیت کو بیان فرما رہے ہیں کہ ہاں بھئی ہم نے قرآن سن لیا، اس میں رکھا کیا ہے۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ یہ تو وہی پُرانی کہانیاں ہیں جو پہلے سے لوگ کہتے چلے آرہے ہیں۔ ہم خود بھی قادر ہیں، اگر چاہیں تو اسی جیسا کلام کہہ دیں۔ (نعوذ باللہ)۔ حالانکہ وہ ایسا کر نہیں سکتے۔ اپنی عاجزی اور تہی دستی کو خوب جانتے، لیکن زبان سے شیخی ضرور بگھار رہے ہیں۔ لیکن جب ان کو چیلنج دیا گیا کہ اس قرآن جیسی ایک ہی سورت بنا کر لاؤ تو سب عاجز ہو گئے۔

دعوت حق کے مقابلے میں اکڑ اور جاہلانہ رویّہ

مشرکین مکہ کی طعنہ آمیز دعا

منکرین حق کی عذاب الٰہی کو دعوت

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَ لِيْمٍ۔ (انفال۔32)

اور وہ بات بھی یاد ہے جو اُنہوں نے (طعناً) کہی تھی کہ: خدایا! اگر یہ واقعی حق ہے اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ۔

And ˹remember˺ when they prayed: O Allah! If this is indeed the truth from You, then rain down stones upon us from the heavens or overcome us with a painful punishment. (8:32)

These words were uttered by way of challenge rather than a prayer to God. What they meant was that had the message of the Prophet (peace be on him) been true, and from God, its rejection would have entailed a heavy scourge, and stones would have fallen on them from heaven. Since nothing of the sort happened, it was evident that the message was neither true nor from God. This was the view of disbelievers of Makah at that time.

اس آیت میں منکرین حق کی مزید جہالت کا ذکر ہو رہا ہے کہ چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ یا اللہ! اگر یہ حق ہے تو ہمیں اس کی ہدایت نصیب فرما اور اس سچے دین کی اتباع کی توفیق نصیب فرما۔ لیکن بجائے اس کے یہ دعا کرنے لگے کہ ہمیں جلد عذاب دے اور ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نازل فرما۔ اگلی امتوں کے جاہلوں کا بھی یہی وطیرہ رہا۔ قوم شعیب نے کہا تھا کہ اے مدعی نبوت اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کو گرا دے۔ ابو جہل اور دوسرے جہلائے عرب نے بھی یہی دعا کی تھی عمرو بن عاص جنگ احد میں اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ اگر محمدؐ کا لایا ہوا دین برحق ہے تو مجھے میرے گھوڑے سمیت زمین میں دھنسا دے۔ نصر بن حارث بن کلدہ نے بھی یہی دعا کی تھی جس کا ذکر: سئل سائل بعذاب واقع والی آیت میں ہے ان کے اسی قول کا ذکر آیت: وقالو ربنا عجل لنا۔۔ میں ہے۔ جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ رسول اللہ کی موجودگی اور انہی میں سے بعض کا استغفار اللہ کے عذاب کی ڈھال ہے۔

استغفار سے عذاب ٹل جاتا ہے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ (انفال۔33)

اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے۔ اور اللہ ایسا بھی نہیں کرے گا کہ ان کو عذاب نہ دے اس حالت میں کہ وہ استغفار کرتے ہوں۔ (انفال۔33)

But Allah would never punish them while you ⌜O Prophet⌝ were in their midst. Nor would He ever punish them if they prayed for forgiveness. (8:33)

The people of Makkah demanded a rain of stones as punishment. But two things became a barrier to this punishment:

1. **The presence of the Holy Prophet**
2. **The prayer for forgiveness by the people of Makkah because they, despite being polytheists used to pray for forgiveness. This prayer may not be beneficial in the Hereafter, but the benefit of doing that (seeking forgiveness from Allah) may prevent them from Allah’s punishment in this world. The truth is that Allah does not let anyone's deed go to waste. If disbelievers and polytheists do something good, its return is given to them right here in this world.**

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ: اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کریں گے کہ آپؐ کے مکہ میں ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل کریں کیونکہ اول تو سب ہی انبیاء (علیہم السلام) کے ساتھ حق تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ جس بستی میں وہ موجود ہوں اس پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں فرماتے جب تک اپنے پیغمبر وہاں پر وہاں موجود ہوں۔ خصوصا سید الانبیاء جو رحمة للعالمين کا لقب دے کر بھیجے گئے ہیں آپ کے کسی بستی میں موجود ہوتے ہوئے ان پر عذاب آنا آپ کی شان کے خلاف تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تم تو قرآن اور اسلام کی مخالفت کی وجہ سے اسی کے مستحق ہو کہ تم پر پتھر برسائے جائیں مگر حضور اکرم ﷺ کا مکہ میں موجود ہونا اس سے مانع ہے۔

امام ابن جریر نے فرمایا کہ آیت کا یہ حصہ اس وقت نازل ہوا جب کہ آپ مکہ مکرمہ میں موجود تھے پھر ہجرت مدینہ کے بعد آیت کا دوسرا حصہ نازل ہوا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا جب تک آپ اس جگہ یعنی مکہ میں موجود رہیں گے۔ آپؐ کے ہجرت کرنے کے بعد بھی ایک اور چیز مانع عذاب رہی کہ بہت سے غریب ونادار مسلمان جو ہجرت نہ کر سکتے تھے مکہ میں رہ گئے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔ ان کی خاطر سے اہل مکہ پر عذاب نازل نہیں کیا گیا۔ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اہل مکہ باوجود اپنے مشرکانہ عقائد و اعمال کے اللہ تعالیٰ

سے استغفار کرتے، اپنی دعاؤں میں غفرانک کہتے تھے۔ ان کا یہ استغفار گو آخرت میں نافع نہ ہو مگر دنیا میں اس کا بھی یہ نفع ان کو مل گیا کہ دنیا میں عذاب سے بچ گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کے نیک عمل کو ضائع نہیں کرتے۔ مشرک یا غیر مسلم کو اپنے نیک اعمال کا فائدہ دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے لیکن آخرت میں ان کیلئے کوئی اجر نہیں ہوتا کیونکہ خاتمہ بالایمان نہیں ہوتا۔

آیات مذکورہ سے چند اسباق حاصل ہوئے اول یہ کہ جس علاقے میں لوگ استغفار کرتے ہوں اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ اس پر عذاب نازل نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے آپ کی امت پر خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم عذاب عام جس نہیں آئے گا جیسے سابقہ اقوام پر آیا کرتا تھا۔ اور یہ اجتماعی عذاب قیامت تک نہیں آسکتا کیونکہ آپؐ پوری کائنات کیلئے رحمتہ للعالمین ہیں اور آپؐ کی نبوت ورسالت قیامت تک کے لئے ہے۔

حدیث: ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ شیطان نے کہا اے اللہ مجھے تیری عزت کی قسم جب تک تیرے بندوں کے جسم میں روح ہے میں انہیں بہکاتا رہوں گا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا مجھے بھی میری جلالت اور میری بزرگی کی قسم جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشتا رہوں گا۔ (مستدرک حاکم)

حدیث: مسند احمد میں ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ اللہ کے عذابوں سے امن میں رہتا ہے جب تک وہ اللہ عزوجل سے استغفار کرتا ہے۔

مشرکین مکہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکنے کی بنا پر عذاب الٰہی کے مستحق ہیں

وَمَا لَهُمْ اَ لَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (انفال۔34)

(آپ ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے بعد) اب کیوں نہ وہ ان پر عذاب نازل کرے جبکہ وہ مسجد حرام کا راستہ روک رہے ہیں، حالانکہ وہ اس مسجد کے جائز متولی نہیں ہیں اس کے جائز متولی تو صرف اہلِ تقویٰ ہی ہوسکتے ہیں مگر ان کی اکثریت اس سے بے خبر ہے۔

And why should Allah not punish them while they hinder pilgrims from the Sacred Mosque, claiming to be its rightful guardians? None has the right to guardianship except those mindful ˹of Allah˺, but most of them don't realise. (8:34)

Why should Allah not punish them when they are stopping people from visiting the Holy Mosque, even though they are not even its true guardians. For its true guardians are only those who are God-fearing, though most of them do not understand or realise that.

مشرکین مکہ اپنے آپ کو مسجد حرام (خانہ کعبہ) کا متولی اور ٹرسٹی سمجھتے تھے۔اس بنیاد پر اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے۔حاجیوں کو حج و عمرہ سے روکنا ان کا عام معمول تھے۔قربانی کے جانوروں کو بھی نہ آنے دیتے۔ مسلمانوں کو بیت اللہ میں میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔ نبی کریمؐ اور صحابہ کرام کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے بھی روکتے تھے حالانکہ انہیں اس بات کا قطعاً حق حاصل نہیں تھا۔لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا، مسجد حرام کی بے حرمتی کرنا، اللہ کی عبادت سے لوگوں کو روکنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے۔ان جرائم کی وجہ سے وہ عذاب الٰہی کے حقدار تھے۔

اس آیت سے اس غلط فہمی کی تردید بھی مقصود ہے جو عام لوگوں میں پائی جاتی تھی کہ قریش چونکہ بیت اللہ کے مجاور اور متولی ہیں اس لیے ان پر اللہ کا فضل ہے۔اس تصور کے رد میں فرمایا گیا کہ محض میراث میں مجاورت اور تولیت پالینے سے کوئی شخص یا گروہ کسی عبادت گاہ کا جائز مجاور و متولی نہیں ہو سکتا۔جائز مجاور و متولی تو صرف خدا ترس اور پرہیز گار لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔

اس آیت میں مشرکین مکہ کیلئے جس عذاب کا ذکر ہے،اس سے مراد معرکہ بدر ہے جو مخالفین اسلام کے لئے سزا یا شکست کی حیثیت رکھتا ہے جس میں ان کی کمر ٹوٹ گئی تھی اور مکہ کے سارے بڑے سردار اس جنگ میں مارے گئے تھے۔ بعض مفسرین نے اس عذاب سے مراد فتح مکہ بھی لیا ہے جس کے بعد عرب کی سرزمین سے دشمنان اسلام کا مکمل خاتمہ ہو گیا تھا۔

اس سے قبل کی آیت میں جس عذاب کی نفی ہے، جو پیغمبر کی موجودگی یا استغفار کرتے رہنے کی وجہ سے نہیں آتا، اس سے مراد عمومی عذاب ہے۔یعنی لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا، مسجد حرام کی بے حرمتی کرنا، اللہ کی عبادت سے لوگوں کو روکنا بلاشبہ ان گناہوں کی وجہ سے مشرکین مکہ عذاب الٰہی کے لائق تو تھے مگر حضور اکرمؐ کی موجودگی اور باقی اہل مکہ کے استغفار کی وجہ سے اللہ کے عمومی عذاب سے بچے رہے۔یعنی ان پر کوئی ایسی آفت یا عذاب نہیں آیا جیسے پچھلی قوموں پر آتا تھا جس سے ساری قوم صفحہ ہستی سے مٹ جاتی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیت اللہ کے متولی بننے کے حقدار تو وہی لوگ ہیں جو خوف خدا (تقویٰ) کے حامل ہیں۔

مسجد کے پاس شور شرابہ کی مذمت

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔ (انفال۔35)

اور بیت اللہ (مسجد حرام) کے پاس ان کی نماز سوائے سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے اور کچھ نہیں تھی۔ لہذا اب تم لوگ (مشرکین مکہ) اپنے انکار حق کی بنا پر عذاب کا مزہ چکھو۔

Their prayer at the Sacred House was nothing but whistling and clapping. So, taste the punishment for denying the truth. (8:35)

It is obvious that no reasonable person would call these acts 'worship' and 'prayer,'.

اس آیت میں مشرکین مکہ کی ایک اور شرارت اور بے ادبی کا ذکر ہے۔ یہ حرکتیں وہ مسجد حرام اور بیت اللہ میں آ کر کیا کرتے تھے؟ الٹا طواف کرتے، سیٹیاں بجاتے، تالیاں بجاتے، بعض دفعہ ننگا طواف بھی کرتے۔ یہی ان کی عبادت تھی اور یہی ان کی نماز تھی۔ (معاذاللہ)

بعض دفعہ جاہل صوفی لوگ مسجدوں اور آستانوں میں رقص کرتے، ڈھول پیٹتے اور دھمالیں ڈالتے نظر آتے ہیں۔ یہ بھی جہالت، صریح گمراہی اور خرافات میں سے ہے۔ اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس آیت سے ایک عمومی مطلب بھی نکلتا ہے کہ اللہ کے گھر مسجد کے اندر یا اس کے قریب شور شرابہ کرنا، لڑائی جھگڑا اور فساد پیدا کرنا انتہائی ممنوع ہے اور قرب قیامت کی نشانی ہے۔

مال کے زور پر حق کے راستے میں روڑے اٹکانے والے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَۙ۔ (انفال۔36)

جن لوگوں نے حق کو ماننے سے انکار کیا ہے وہ اپنے مال اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے صرف کر رہے ہیں۔اور ابھی مزید خرچ کرتے رہیں گے مگر آخر کار یہی کوششیں ان کے لیے پچھتاوے کا سبب بنیں گی، پھر وہ مغلوب ہوں گے، پھر ان منکرین حق کو جہنم کی طرف گھیر کر لایا جائے گا۔

Spending money to stop people from Truth!

Surely, those who deny the truth, spend their wealth to avert others from the Path of Allah. They will continue to spend to the point of regret. Then the unbelievers will be defeated and will be driven into Hell. (8:36)

Spending wealth to stop people from following the true faith also includes today when people who oppose Islam spend enormous wealth in the name of charity and exploit people's poverty and needs, only to stop people from following Islam and to attract them to their false practices. Similarly, also included here are all those who have gone astray, those who spend their wealth to make propaganda against Islam through media. But the religion of Islam is protected by Allah swt. There are many occasions when it is noticed that such people fail to achieve their objective despite having spent huge amount of money and materials.

جب قریش مکہ کو بدر میں شکست ہوئی اور ان کے شکست خوردہ لوگ مکہ واپس گئے۔ادھر سے ابو سفیان بھی اپنا تجارتی قافلہ لے کر وہاں پہنچ چکا تھا، تو کچھ لوگ، جن کے باپ، بیٹے یا بھائی اس جنگ میں مارے گئے تھے، ابو سفیان اور جن کا تجارت سامان میں حصہ تھا، ان کے پاس گئے اور ان سے استدعا کی وہ اس مال کو مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے استعمال کریں۔ مسلمانوں نے ہمیں بڑا نقصان پہنچایا ہے اس لئے ان سے انتقامی جنگ ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انہی لوگوں یا اسی قسم کا کردار اپنانے والوں کے بارے میں فرمایا کہ بیشک یہ لوگ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لئے اپنا مال خرچ کرلیں لیکن ان کے حصے میں سوائے حسرت اور مغلوبیت کے کچھ نہیں آئے گا اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔

مکروہ اور خبیث کردار کی مذمت

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (انفال۔37)

تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے اور ناپاک (یعنی برے کرداروں) کو اکٹھا کر کے جہنم میں ڈال دے۔یہی وہ لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔

So, Allah may separate the evil from the good. He will pile up the evil ones all together and then cast them into Hell. They are the ˹true˺ losers. (8:37)

Thei verse describes some consequences of the events mentioned earlier.
The two words impure and pure stand in contrast to each other. The word impure is used to refer bad and forbidden while the word pure used to refer everything which is good and lawful.

یہ علیحدگی یا تو آخرت میں ہوگی کہ اہل سعادت کو اہل شقاوت سے الگ کر دیا جائے گا، جیسا کہ فرمایا گیا: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ (سورت یٰس۔59) کہ اے گناہ گارو! آج الگ ہو جاؤ یعنی نیک لوگوں سے الگ ہو جاؤ اور پھر سب مجرموں کو اکٹھا کر کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اس لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آخرت میں نیک اور بد ایک دوسرے سے دور ہو جائیں گے یعنی تمام نیکوکار جنت میں اکٹھے ہو جائیں گے اور تمام بدکار جہنم میں اکٹھے ہو جائیں گے۔
یا پھر اس علیحدگی کا تعلق دنیا سے ہے۔ یعنی دنیا میں ہر ایک کو بطور آزمائش مہلت دیتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے لئے دوراستوں (یعنی رحمٰن کا راستہ یا شیطان کا راستہ) میں سے ایک راستے کا انتخاب کرے تاکہ نیک بد سے الگ ہو جائے۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے، کافر کو مومن سے اور منافق کو مخلص سے الگ کر دیتے ہیں۔ (بحوالہ ابن کثیر)

نویں پارے کا آخری رکوع: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا۔۔۔ (انفال۔38)

رکوع کے تفسیری موضوعات

منکرین حق کو مربیانہ خطاب: مغفرت کی پیشکش (ان ینتھو یغفرلھم ما قد سلف)، بہترین سرپرست اور حقیقی مددگار ہستی: صرف اللہ ربّ العالمین (نعم المولٰی و نعم النّصیر)۔

منکرین حق کو مربیانہ خطاب: مغفرت کی پیشکش

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ۔ (انفال۔38)

اے نبیؐ! ان منکرین حق سے کہو کہ اگر اب بھی باز آجائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے اس سے درگزر کر لیا جائے گا، لیکن اگر یہ اسی پچھلی روش کا اعادہ کریں گے تو گزشتہ قوموں کے ساتھ جو کچھ ہو چکا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

[O Prophet!] tell the unbelievers [that] if they cease, their past will be forgiven. But if they persist, then they have an example in those destroyed before them. (8:38)

اس آیت میں دشمنان اسلام کیلئے ایک مربیانہ خطاب ہے جس میں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی۔ ترغیب اس کی ہے کہ اگر وہ اسلام دشمنی پر مبنی تمام افعال پر اب بھی توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اور ترہیب یہ کہ دشمنان اسلام کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اسلام کی عداوت سے باز آجائیں ورنہ اپنے برے اعمال کے نتائج بھگتنے کیلئے تیار رہیں۔

حدیث: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے اسلام قبول کر کے نیکی کا راستہ اپنا لیا، اس سے اس کے ان گناہوں کی باز پرس نہیں ہو گی جو اس نے جاہلیت میں کئے ہونگے اور جس نے اسلام لا کر بھی برائی نہ چھوڑی، اس سے اگلے پچھلے سب عملوں کا مواخذہ ہو گا۔ (صحیح مسلم)

حدیث: ایک اور حدیث میں ہے: الاسلام یهدم ماکان قبله۔ اسلام اپنے ماقبل کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

حدیث: توبہ اپنے سے پہلے کے گناہ کو مٹا دیتی ہے۔

اگلی آیت یعنی سورۃ انفال 39 کے اندر فرمایا گیا کہ ان دشمنان اسلام سے مقابلہ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ کیلئے ہو جائے۔ یہاں دو لفظ قابل غور ہیں ایک لفظ فتنہ دوسرا دین۔ یہ دونوں لفظ عربی لغت کے اعتبار سے کئی معنی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ فتنہ سے مراد اس جگہ وہ ایذاء اور عذاب و مصیبت ہے جس کا سلسلہ اہل مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر جاری رہا تھا جب تک وہ مکہ میں تھے تو ہر وقت ان کے نرغہ

میں پھنسے ہوئے طرح طرح کی ایذائیں سہتے رہے پھر جب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو ایک ایک مسلمان کا تعاقب کر کے قتل وغارتگری کرتے رہے۔ مدینہ میں پہنچنے کے بعد بھی پورے مدینہ پر حملوں کی صورت میں ان کا غیظ وغضب ظاہر ہوتا رہا۔ اس صورت میں تفسیر آیت کی یہ ہوگئی کہ مسلمانوں کو دشمنان اسلام سے اس وقت تک مقابلہ کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ مسلمان ان کے مظالم سے محفوظ نہ ہو جائیں۔

بہترین سرپرست اور حقیقی مددگار ہستی۔ اللہ ربّ العالمین

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ (انفال۔40)

اور اگر وہ نہ مانیں تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا سرپرست ہے اور وہ بہترین حامی ومددگار ہے۔

Real Protector and Helper - Allah

Allah is your Protector.
What an excellent Protector, and what an excellent Helper!

تذکیر بالقرآن پر اپنی قیمتی تجاویز، آراء، اور تبصروں سے ضرور آگاہ فرمائیں

For feedback and suggestions please contact:
Mobile (WhatsApp): +44 785 3099 327